لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

القران الحکیم ۱۲:۶۵

النور

تبلیغ ۱۳۹۰ ہش
فروری ۲۰۱۱ء

مصلح موعودؓ نمبر

جماعت احمدیہ امریکہ کا علمی، ادبی، تعلیمی اور تربیتی مجلّہ

Scenes from President's Refresher Course held at Baitur Rahman, Silver Spring, MD

Peace Conference held in Chicago, Illinois

Interfaith Conference held in Houston, Texas

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۙ یُخۡرِجُہُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی

النـــــور

(2:258)

فروری 2011

جماعت احمدیہ امریکہ کا علمی، تعلیمی، تربیّتی اور ادبی مجلّہ

اَلَمۡ اَعۡہَدۡ اِلَیۡکُمۡ یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ اَنۡ لَّا تَعۡبُدُوا الشَّیۡطٰنَ ۚ اِنَّہٗ لَکُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ ۙ وَّ اَنِ اعۡبُدُوۡنِیۡ ؕ ہٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌ ○

(یٰسٓ : 61-62)

اے بنی آدم! کیا میں نے تمہیں تاکیدی ہدایت نہیں کی تھی کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرو۔ یقیناً وہ تمہارا کھلا کھلا دشمن ہے۔ اور یہ کہ تم میری عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے۔

{700 احکام خداوندی صفحہ 61}

لکھنے کا پتہ: karimzirvi@yahoo.com
OR
Editor Ahmadiyya Gazette
15000 Good Hope Road
Silver Spring, MD 20905

فہرس

قرآن کریم

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰہُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِہٖۤ اَوْلِیَآءَ لَا یَمْلِکُوْنَ لِاَنْفُسِہِمْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا ؕ قُلْ ہَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ ۬ۙ اَمْ ہَلْ تَسْتَوِی الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۬ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰہِ شُرَکَآءَ خَلَقُوْا کَخَلْقِہٖ فَتَشَابَہَ الْخَلْقُ عَلَیْہِمْ ؕ قُلِ اللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَّ ہُوَ الْوَاحِدُ الْقَہَّارُ ○

(الرعد: 17)

تو (ان سے) کہہ (کہ بتاؤ) آسمانوں اور زمین کا ربّ کون ہے (اس کا جواب وہ تو کیا دیں گے) تو (خود ہی) کہہ دے (کہ) اللہ (اور پھر) تو (ان سے) کہہ (کہ) کیا پھر (بھی) تم نے اس کے سوا اور (اور اپنے) مددگار بنا رکھے ہیں۔ جو (خود) اپنے لئے (بھی) کسی نفع (کو حاصل کرنے) کی قدرت نہیں رکھتے اور نہ کسی نقصان (کو روکنے) کی (اور ان سے) کہہ (کہ) کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر (ہوسکتا) ہے یا کیا تاریکی اور روشنی برابر (ہوسکتی) ہے یا کیا انہوں نے اللہ کے ایسے شریک تجویز کئے ہیں۔ جنہوں نے اسکی مخلوق کی طرح (کچھ) پیدا کیا ہے (جسکی وجہ سے اسکی اور دوسروں کی) مخلوق انکے لئے مشتبہ ہوگئی ہے؟ تو (ان سے) کہہ (کہ) اللہ (ہی) ہر ایک چیز کا خالق ہے۔ اور وہ کامل (طور پر) یکتا (اور ہر ایک چیز پر) کامل اقتدار رکھنے والا ہے۔

تفسیر بیان فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ :

یہ عجیب خدا کی قدرت ہے کہ جتنے لوگوں کو دنیا نے خدا بنایا۔ ان کی زندگی دکھ اور تکلیف میں ہی گزری ہے حضرت مسیح کو ملک چھوڑنا پڑا۔ اور مختلف تکالیف کا سامنا ہوا۔ حضرت حسینؓ تو شہید ہی کر دیئے گئے۔ رامچندر جی بھی مصائب میں مبتلا رہے۔ لَا یَمْلِکُوْنَ لِاَنْفُسِہِمْ میں بتایا ہے کہ جب وہ اپنی جانوں کی بھی حفاظت نہ کر سکے تو تم کو کیا نفع پہنچائیں گے۔۔۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ایک مولوی سے پوچھا کہ تم جو دعویٰ کرتے ہو کہ حضرت مسیح ناصری پرندے پیدا کیا کرتے تھے۔ آخر انہوں نے کیا چیز پیدا کی تھی تو اس نے جواب دیا کہ چمگادڑ۔ جب میں نے اس سے پوچھا کہ مسیح کی چمگادڑیں کون سی ہیں اور خدا کی بنائی ہوئی چمگادڑیں کونسی ہیں۔ تو ان مولوی صاحب نے فرمایا اب پتہ نہیں چلتا اور پنجابی میں کہا کہ "اوہ تے رل مل گیاں نے"، یعنی اب تو وہ خدا تعالیٰ کی بنائی ہوئی چمگادڑوں سے مل جل گئی ہیں۔ افسوس کہ جس بات کی جرأت مکہ کے مشرکوں کو نہ ہوئی وہ کام مسلمانوں نے کس دلیری سے کیا۔ اور نہ سوچا کہ اس بے دلیل دعویٰ کو کون تسلیم کرے گا۔

(تفسیرِ کبیر جلد چہارم صفحات 399-402)

۔۔۔۔ احادیثِ مبارکہ ۔۔۔۔

عَـنْ سعِيْدِ بْنِ عَمْرِ وبْنِ سَعِيْدِبْنِ الْعَاصِ ﷺ قَـالَ:قَالَ النَّبِیُّ صَلّٰے اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:حَقُّ كَبِيْرِ الْاِخْوَةِ عَلٰى صَغِيْرِهِمْ كَحَقِّ الْوَالِدِ عَلٰى وَلَدِہٖ۔

(مراسیل ابی داؤد باب فی برالوالدین صفحہ 19)

حضرت سعید بن عاصؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتﷺ نے فرمایا بڑے بھائی کا حق اپنے چھوٹے بھائیوں پر اس طرح کا ہے جس طرح والد کا حق اپنے بچوں پر یعنی بڑا بھائی چھوٹے بھائی کیلئے بمنزلہ باپ کے ہے اس لئے اسکا ادب واحترام بھی واجب ہے۔

☆......☆......☆......☆

عَنْ اَبِیْ اُسَیْدٍ السَّاعِدِیِّ قَالَ : بَیْنَ نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذْ جَاءَ ہٗ رَجُلٌ مِّنْ بَنِیْ سَلَمَةَ فَقَالَ: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! ھَلْ بَقِیَ مِنْ بِرِّ اَبَوَیَّ شَیْءٌ اَبَرُّھُمَا بِہٖ بَعْدَ مَوْتِھِمَا؟ قَالَ: نَعَمْ اَلصَّلٰوةُ عَلَیْھِمَا وَالْاِسْتِغْفَارُ لَھُمَا وَاِنْفَاذُ عَھْدِ ھِمَا مِنْ بَعْدِ ھِمَا وَصِلَةُ الرَّحِمَ الَّتِیْ لَا تُوْصَلُ اِلَّا بِھِمَا وَاِکْرَامُ صَدِیْقِھِمَا۔

(ابوداؤد کتاب الادب باب فی بر الوالدین)

حضرت ابواسید الساعدیؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ آنحضرتﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ بنی سلمہ کا ایک شخص حاضر ہوا اور پوچھنے لگا کہ یارسول اللہ! والدین کی وفات کے بعد کوئی ایسی نیکی ہے جو میں ان کیلئے کرسکوں؟ آپؐ نے فرمایا۔ ہاں کیوں نہیں۔تم ان کیلئے دعائیں کرو، ان کیلئے بخشش طلب کرو، انہوں نے جو وعدے کسی سے کرر کھے تھے انہیں پورا کرو۔ان کے عزیز واقارب سے اسی طرح صلہ رحمی اور حسن سلوک کرو جس طرح وہ اپنی زندگی میں ان کے ساتھ کیا کرتے تھے اور ان کے دوستوں کے ساتھ عزت واکرام کے ساتھ پیش آؤ۔

☆......☆......☆......☆

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ ﷺ قَالَ:قَالَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ سَرَّہٗ اَنْ یُبْسَطَ عَلَیْہِ رِزْقُہٗ اَوْ یُنْسَاَ فِیْ اَثَرِہٖ فَلْیَصِلْ رَحِمَہٗ۔

(مسلم کتاب البر والصلة باب صلة الرحمة)

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔جس شخص کی خواہش ہو کہ اس کی عمر لمبی ہو اور رزق میں فراوانی ہو تو اس کو چاہیئے کہ اپنے والدین سے حسن سلوک کرے (اور اپنے عزیز واقارب کے ساتھ بنا کر رکھے)اور صلہ رحمی کی عادت ڈالے۔

☆......☆......☆......☆

الہام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

پیشگوئی مصلح موعود

''مَیں تجھے ایک رحمت کا نشان دیتا ہوں اسی کے موافق جو تُو نے مجھ سے مانگا۔ سو مَیں نے تیری تضرّعات کو سُنا۔ اور تیری دُعاؤں کو اپنی رحمت سے بپایۂ قبولیت جگہ دی۔ اور تیرے سفر کو (جو ہوشیار پور اور لودھیانہ کا سفر ہے) تیرے لئے مبارک کر دیا۔ سو قدرت اور رحمت اور قربت کا نشان تجھے دیا جاتا ہے۔ فضل اور احسان کا نشان تجھے عطا ہوتا ہے۔ اور فتح اور ظفر کی کلید تجھے ملتی ہے۔ اے مظفر! تجھ پر سلام۔ خدا نے یہ کہا تا وہ جو زندگی کے خواہاں ہیں۔ موت کے پنجہ سے نجات پاویں۔ اور وہ جو قبروں میں دبے پڑے ہیں باہر آویں۔ اور تا دین اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو۔ اور تا حق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آجائے۔ اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ جائے۔ اور تا لوگ سمجھیں کہ میں قادر ہوں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔ اور تا وہ یقین لائیں کہ میں تیرے ساتھ ہوں۔ اور تا انہیں جو خدا کے وجود پر ایمان نہیں لاتے۔ اور خدا کے دین اور اس کی کتاب اور اس کے پاک رسول محمد مصطفیٰ ﷺ کو انکار اور تکذیب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ایک کھلی نشانی ملے۔ اور مجرموں کی راہ ظاہر ہو جائے۔ سو بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ ایک زکی غلام (لڑکا) تجھے ملے گا۔ وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ہی ذرّیت و نسل ہوگا۔ خوبصورت پاک لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے۔ اُس کا نام عنموائیل اور بشیر بھی ہے۔ اس کو مقدس رُوح دی گئی ہے۔ اور وہ رجس سے پاک ہے وہ نور اللہ ہے۔ مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے۔ اس کے ساتھ فضل ہے جو اُس کے آنے کے ساتھ آئے گا وہ صاحبِ شکوہ اور عظمت اور دَولت ہوگا۔ وہ دنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور رُوح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت و غیّوری نے اُسے کلمۂ تمجید سے بھیجا ہے وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا اور دل کا حلیم۔ اور علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا۔ اور وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا (اس کے معنے سمجھ میں نہیں آئے) دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ۔ فرزندِ دلبند گرامی ارجمند۔ مَظْهَرُ الْاَوَّلِ وَالْاٰخِرِ۔ مَظْهَرُ الْحَقِّ وَالْعَلَآءِ كَاَنَّ اللّٰهَ نَزَلَ مِنَ السَّمَآءِ۔ جس کا نزول بہت مبارک اور جلالِ الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نور آتا ہے نور۔ جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اس میں اپنی رُوح ڈالیں گے۔ اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا۔ اور اسیروں کی رُستگاری کا موجب ہوگا۔ اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا۔ اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اُٹھایا جائے گا۔ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا۔''

(اشتہار 20 فروری 1886 مندرجہ تبلیغ رسالت جلد اوّل)

منظوم کلام امام الزمان

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

وہ جو کہلاتے تھے صُوفی کِیں میں سب سے بڑھ گئے　　کیا یہی عادت تھی شیخِ غزنویؒ کی یادگار

کہتے ہیں لوگوں کو ہم بھی زُبدۃُ الابرار ہیں!　　پڑتی ہے ہم پر بھی کچھ کچھ وحیِ رحماں کی پُھوہار

پر وہی نافہم ملہَم اول الاعداء ہوئے　　آ گیا چرخِ بریں سے ان کو تکفیروں کا تار

سب نشاں بیکار اُنکے بُغض کے آگے ہوئے　　ہو گیا تیرِ تعصّب اُن کے دل میں وارپار

دیکھتے ہرگز نہیں قدرت کو اُس ستّار کی　　گو سُنادیں اُن کو وہ اپنی بجاتے ہیں ستار

صُوفیا! اب ہیچ ہے تیری طرح تیری تراہ　　آسماں سے آگئی میری شہادت باربار

قدرتِ حق ہے کہ تم بھی میرے دشمن ہوگئے　　یا محبت کے وہ دن تھے یا ہوا ایسا نقار

دھودیئے دل سے وہ سارے صحبتِ دیریں کے رنگ　　پھول بن کر ایک مدّت تک ہوئے آخر کو خار

جس قدر نقدِ تعارف تھا وہ کھو بیٹھے تمام　　آہ! یہ کیا دل میں گزرا ہوں مَیں اس سے دلفگار

آسماں پر شور ہے پر کچھ نہیں تم کو خبر　　دن تو روشن تھا مگر ہے بڑھ گئی گردوغبار

اک نشاں ہے آنے والا آج سے کچھ دن کے بعد　　جس سے گردش کھائیں گے دیہات وشہراور مرغزار

ہاں نہ کر جلدی سے انکار اے سفیہِ ناشناس　　اس پہ ہے میری سچائی کا سبھی دارومدار

وحیِ حق کی بات ہے ہو کر رہے گی بے خطا　　کچھ دنوں کر صبر ہو کر متقی اور بُردبار

یہ گماں مت کر کہ یہ سب بدگمانی ہے معاف　　قرض ہے واپس ملے گا تجھ کو یہ سارا اُدھار

خطبہ جمعہ

دکھ سے بچنے اور سکھ کے حاصل کرنے کی خواہش ہر وجود میں پائی جاتی ہے

دین کیلئے تو عورتوں کو خاوند چھوڑنے پڑتے ہیں۔ خاوندوں کو بیویاں چھوڑنی پڑتی ہیں۔مال دینا پڑتا ہے۔ جان دینی پڑتی ہے۔ سب کچھ قربان کرنا پڑتا ہے۔

عام طور پر لوگوں کے دل میں خیال ہے کہ جسم کے ساتھ روح بھی ہے اور آئندہ بھی اس کی ہستی باقی رہے گی۔اس لئے انسان چاہتا ہے کہ وہ اگلے جہان میں بھی دُکھ سے بچ جائے

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرمودہ مورخہ 23 فروری 1923ء

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ
وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ
أَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ.
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥
اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۙ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ؕ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ؕ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِالْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَاالضَّآلِّيْنَ٥

دنیا میں جتنے لوگ ہیں وہ سارے کے سارے اس بات کی خواہش رکھتے ہیں کہ دکھ اور تکلیف سے بچ جائیں۔مسلمانوں کی ہی شرط نہیں غیر مسلمان بھی چاہتے ہیں کہ دکھ سے بچ جائیں۔عیسائی بھی، ہندو بھی، حتّٰی کہ وہ لوگ بھی جو خدا کو نہیں مانتے۔وہ بھی یہی چاہتے ہیں کہ دکھ سے بچ جائیں۔اگر یہ خیال انسان کے دل میں نہ ہوتا تو مذہبوں کی گرم بازاری بھی دنیا میں نہ ملتی اتنے مذاہب جو دنیا میں پائے جاتے ہیں اور اتنے لوگ جو ان کے پھیلانے اور قائم رکھنے میں لگے ہوئے ہیں۔اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ دکھ سے بچ جائیں اور چونکہ عام طور پر لوگوں کے دل میں خیال ہے کہ جسم کے ساتھ روح بھی ہے اور آئندہ بھی اس کی ہستی باقی رہے گی۔اس لئے انسان چاہتا ہے کہ وہ اگلے جہان میں بھی دُکھ سے بچ جائے۔اس جہان میں وہ ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے اور اگلے جہان کیلئے وہ مذہب کو اختیار کرتا ہے۔سو دکھ سے بچنے اور سکھ کے حاصل کرنے کی خواہش ہر وجود میں پائی جاتی ہے۔

ہندو لوگ کیوں اپنے مذہب کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔کیوں لاکھوں روپیہ اس کی حفاظت پر خرچ کرتے ہیں۔بے شک تبلیغ سے ان کی ترقی نہیں ہوتی۔مگر ان میں لاکھوں لاکھ سادھو ہیں اور ان کا گزارہ دوسرے لوگوں کی آمدنیوں پر ہی ہے۔کیوں ہندو لوگ لاکھوں سادھوؤں کو سہارا دیتے ہیں۔اسی لئے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے ذریعہ سے انکا دین قائم رہے گا اور دین سے وہ دکھ سے بچ جائیں گے۔مسلمانوں میں بھی ہر گاؤں میں کوئی نہ کوئی ملاّ ہوگا۔اس کو سارا گاؤں خرچ دیتا ہے کیونکہ وہ مُردوں کو نہلاتا ہے اور بعض رسوم جو چلی آتی ہیں ان کو بجالاتا ہے۔کیوں وہ ایسا کرتے ہیں؟ اسی لئے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ مردوں کو اس سے آرام ہوگا۔یہ بات ٹھیک ہے یا نہیں۔مگر خیال یہی ہوتا ہے کہ وہ دکھ سے بچ جائے گا۔کتنے گاؤں ہیں دنیا میں مسلمانوں کے اور کتنے لاکھ آدمی ہیں جن کا خرچ مسلمان برداشت کرتے ہیں۔اسی طرح پادری ہیں۔پادری کا کیا کام ہوتا ہے۔وہ بعض رسوم بجالاتا ہے۔عیسائی لوگ لاکھوں روپیہ ان کے اخراجات کیلئے اپنے اوپر ڈالتے ہیں۔اس خیال سے کہ وہ اگلے جہان میں دکھ سے بچ جائیں۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو دنیا کا بہت سا مال اس غرض کیلئے خرچ کیا جاتا ہے۔لیکن جہاں یہ خواہش کی جاتی ہے کہ لوگ دکھ سے بچ جائیں وہاں اس کے صحیح طریقوں کے استعمال میں لوگ غفلت کرتے ہیں۔یہ خواہش تو ایک علم ہے۔اس سے پتہ لگ جاتا ہے مگر خالی پتہ لگ جانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔دیکھو ایک انسان کو بخار چڑھ جائے اور اس کو پتہ لگ جائے کہ بخار ہے تو کیا اس سے اس کا بخار اتر جائے گا۔یا کسی کو کھانسی ہو جائے تو کیا اس کے پتہ لگ جانے سے کھانسی

دُور ہوجائے گی۔ یا کسی کو زخم لگ جائے تو کیا اس کو پتہ لگ جانے سے اس کا زخم اچھا ہوجائے گا۔ پتہ لگ جانے سے فائدہ نہیں ہوتا۔ اس سے تو فائدہ صرف یہ ہوتا ہے کہ اس کا علاج کرانا چاہیئے۔ مثلاً پاگل ہیں۔ کوئی پاگل اپنا علاج کرانے نہیں جاتا۔ کبھی تم نے نہیں دیکھا ہوگا کہ کوئی پاگل اپنا علاج کرائے۔ پاگل تو کہتے ہی ان کو ہیں جن کو بیماری کا پتہ نہ ہو۔ سوا تنا فائدہ تو ہوگا کہ انسان طبیب کے پاس جائے گا۔ لیکن محض پتہ لگنے سے بیماری اچھی نہیں ہوگی۔ بیماری تبھی اچھی ہوگی جب اس کا علاج کیا جائے گا۔ پتہ لگ جانے کے بعد دوسرا قدم یہ ہوتا ہے کہ بیماری کا علاج کرایا جائے۔ اگر یہ پتہ لگ جائے کہ بخار ہے تو دوسرا قدم یہ ہوگا کہ کونین سے بخار اُتر جاتا ہے۔ لیکن اس سے بھی بخار اُتر نہیں جائے گا۔ اگر ایسا ہو تو ڈاکٹر بیمار ہی نہ ہوں۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اگر ان کی بیماری کا علاج درست نہ ہو تو بیماری بڑھ بھی جاتی ہے اور مر بھی جاتے ہیں۔ سو خالی پتہ لگ جانے سے بیماری اچھی نہیں ہوجاتی نہ بیماری کا علاج معلوم ہونے سے وہ دور ہوجاتی ہے۔ پہلے یہ معلوم ہو کہ بیماری ہے پھر یہ معلوم ہو کہ علاج کیا ہے۔ اور صحیح کیا ہے اور پھر علاج میسر ہو اور پھر علاج کیا جائے تب بیماری اچھی ہوتی ہے۔

لیکن جہاں لوگ جسمانی بیماریوں کے متعلق سوچ لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پہلے تشخیص کرالو اور اس پر بڑا زور دیتے ہیں۔ نبض دکھانے کے بعد پوچھتے ہیں اور ان کی تسلی نہیں ہوتی جب تک کہ بیماری کا پورا پتہ نہ لگ جائے۔ بعض لوگ خلیفہ اولؓ کے پاس آتے تھے اور پوچھتے تھے کہ ہماری بیماری کیا ہے مگر بعض بیماریاں ایسی باریک ہوتی ہیں جن کا مریض کو سمجھانا مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے آپ بعض دفعہ ناراض ہوتے تھے۔ سو یہ انسان کی فطرت میں ہے کہ بیماری کا پتہ لگائے۔ لیکن روحانی بیماریوں کے متعلق لوگوں کو یہ فکر نہیں ہوتی۔ کسی کے دل میں یہ خیال نہیں پیدا ہوتا کہ بیماری کیا ہے۔ جسمانی بیماریوں کے متعلق پوچھ لیتے ہیں۔ مگر روحانی امراض کے متعلق نہیں سوچتے۔ بعض لوگ بیماری کو بھی سوچ لیتے ہیں۔ لیکن وہ آگے علاج کی فکر نہیں کرتے۔ مثلاً جھوٹ بولنا، چوری کرنا، تہمت لگانا، فسق وفجور، اللہ کی محبت کا نہ ہونا، خدا کے کلام سے محروم رہنا۔ یہ سب روحانی بیماریاں ہیں۔ انکا لوگوں کو علم ہوتا ہے مگر وہ کوشش نہیں کرتے کہ ان کا علاج کریں۔ وہ جانتے ہیں کہ جھوٹ بولنا بیماری ہے مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ اس کا علاج کیا ہے۔ لوگ جانتے ہیں کہ چوری کرنا بیماری ہے مگر وہ نہیں جانتے کہ اس کا علاج کیا ہے۔ دوسرا قدم غفلت کا یہ ہوتا ہے کہ بعض لوگ علاج معلوم کر لیتے ہیں مگر یہ کوشش نہیں کرتے کہ علاج کریں مثلاً لوگ جانتے ہیں کہ کھانسی اور بخار میں بنفشہ مفید ہوتا ہے۔ مگر خالی اس علم سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا استعمال نہ کیا جائے۔ لوگوں کا بخار کونین سے اُتر جاتا ہے مگر ایک بیمار کو جو اسے استعمال نہیں کرتا اس علم کا کیا فائدہ ہے۔ قیدی چھوٹ بھی جاتے ہیں۔ ہزاروں لوگ ہیں جو مرتے وقت اچھے ہوجاتے ہیں۔ مگر اس سے کیا کوئی قیدی یا مریض خوش ہوجائیگا۔ اصل بات تو اس کا اچھا ہونا تھا اگر وہ اچھا نہیں ہوا تو اس علم کا کوئی فائدہ نہیں۔ مگر بہت لوگ ہیں جو دین کے معاملہ میں اس بات پر خوش ہوجاتے ہیں کہ ان کو مذہب کی صداقت کا پتہ لگ گیا۔ مسلمان عیسائی سے لڑتا ہے کہ ہمارا دین سچا ہے مگر خالی مذہب کی سچائی معلوم ہوجانے سے کیا فائدہ ہے جب تک کہ مسلمان اسلام کے حکموں پر عمل کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ دونوں میں فرق کیا ہے۔ وہ بھی جہنم میں جائے گا اور یہ بھی۔ ایک نے حضرت عیسیٰؑ کو خدا بنادیا۔ دوسرے نے اسلام کے احکام کی خلاف ورزی کی۔ اس کو تو تب فائدہ تھا کہ یہ عمل کرتا اور بچ جاتا۔ تب بے شک خوشی کی بات تھی لیکن اگر یہ اس پر چلتا نہیں تو کیا فائدہ۔ یہ مجرم بھی ہے اور بے وقوف بھی ہے۔ اس کو لوگ برا بھلا کہیں گے کہ اس کو پتہ تھا اور پھر گیا۔

سو یاد رکھو کہ دنیا میں کوئی فائدہ علم کا نہیں ہوتا جب تک اس علم کو عمل میں نہ لایا جائے۔ ہماری جماعت میں بھی بعض لوگ ہیں جو اس بات پر بڑے خوش ہوتے ہیں کہ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو پہچان لیا۔ مگر ان کی بعثت کی غرض کو نہیں پہچانتے۔ اس کی غرض تو نجات دینا تھی۔ اگر یہ حاصل نہیں ہوئی تو ان کیلئے آپ کا آنا اور نہ آنا برابر ہے۔ بلکہ پہلے ہم اندھیرے میں گر رہے تھے اور اب ہم روشنی میں گر رہے ہیں۔ یہ بات اور الزام کے قابل ہے۔ جب تک اندھیرا تھا تو ہم خدا کو کہہ سکتے تھے کہ ہم کو پتہ نہ تھا۔ مولویوں نے دین کی شکل کو بگاڑ رکھا تھا۔ مگر جب اس نے لیمپ جلا دیا۔ تو ہمارا یہ عذر بھی جاتا رہا۔ جب اس نے حضرت مسیح موعودؑ کو بھیج دیا اور اس کے ذریعہ یہ بتا دیا کہ اسلام ہی ایک سچا مذہب ہے۔ ہمارا خدا زندہ خدا ہے۔ وہ مومنوں کی مدد کرتا ہے۔ ان سے باتیں کرتا ہے اور اپنا جلال ظاہر کرتا ہے تو پھر اگر ہم فائدہ نہ اٹھائیں اور اسے مردہ کی طرح چھوڑ دیں تو ہم زیادہ مجرم ہوں گے۔ اس لئے ہماری جماعت کیلئے ضروری ہے کہ ہم بہت احتیاط سے قدم رکھیں۔

بہت لوگ ہیں جو نمازوں میں سست ہیں اور روزہ نہیں رکھتے۔ بہت ہیں جو اس طرح جھوٹ بولتے ہیں جس طرح وہ پہلے بولتے تھے۔ شہادت کو چھپاتے ہیں، چوری کرتے ہیں جس طرح وہ پہلے کرتے تھے۔ بہت لوگ ہیں جو لوگوں کے مال کو کھا جاتے ہیں جس طرح وہ پہلے کھا جاتے تھے۔ بہت ہیں جو ظلم کرتے ہیں جس طرح وہ پہلے کرتے تھے۔ اسی طرح بہت ہیں جو دوسروں کو نفرت اور حقارت کی

نظر سے دیکھتے ہیں جس طرح وہ پہلے دیکھتے تھے۔ تکبر کرتے ہیں۔ فتنہ اور لڑائی ڈلواتے ہیں جس طرح وہ پہلے کرتے تھے۔ بہت ہیں جو اسی طرح تمسخر کرتے ہیں جس طرح پہلے کرتے تھے۔ ایسے لوگوں کو صرف ایک نسخہ کا پتہ لگا ہے۔ ان کیلئے کوئی نجات نہیں ہوئی کیونکہ انہوں نے نسخہ کو استعمال نہیں کیا۔ یادرکھو کسی کو فائدہ نہیں ہوسکتا اور کوئی نجات نہیں پاسکتا جب تک کہ وہ نسخہ کو استعمال نہ کرے۔ پس اپنے دلوں کی اصلاح کی فکر کرو۔ اسلام جو احکام لایا ہے ان پر عمل کرنے کی کوشش کرو۔ تم کو اگر لوگ جھوٹ بولتا دیکھیں گے تو وہ کیوں احمدی ہوں گے۔ اس طرح تم اپنے آپ کو ہی دکھ میں نہیں ڈالتے بلکہ دوسروں کو بھی۔ پس تمہاری سستیاں دوخطرناک نتائج پیدا کرتی ہیں۔

ایک تمہاری اپنی ذات کیلئے دوسرا قوم کیلئے۔ ایک طرف تمہاری بدعملی تم کو دکھ میں ڈالتی ہے دوسری طرف دوسرے لوگوں کو ہدایت سے محروم کرتی ہے۔ لوگوں کی نظریں تمہاری طرف ہیں۔ وہ یہ دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ نے آکر کیا کیا۔ اگر تم ویسے ہی رہو گے تو پھر وہ کس طرح آپ کی صداقت کے قائل ہوسکتے ہیں۔ جب وہ دیکھیں گے کہ تم کو اس دین سے کچھ فائدہ نہیں ہوا تو کیوں وہ اس کو قبول کریں گے۔ اگر کوئی تغیر اور کوئی تبدیلی اور کوئی سچا نمونہ اسلام کا اور اخلاق کا تمہاری زندگیوں میں انکو نظر نہ آئے گا تو بتاؤ کہ کیا ضرورت ہے کہ لوگ قربانیاں کریں۔ دین کیلئے تو عورتوں کو خاوند چھوڑنے پڑتے ہیں۔ خاوندوں کو بیویاں چھوڑنی پڑتی ہیں۔ مال دینا پڑتا ہے۔ جان دینی پڑتی ہے۔ سب کچھ قربان کرنا پڑتا ہے۔ جب آگے کچھ ملنا نہیں تو کیوں کوئی آپ کے دین کیلئے قربانی کرے گا۔ ہاں اگر وہ دیکھیں گے کہ تم کو کچھ مل گیا ہے اور تمہاری زندگیوں میں ایک پاک تبدیلی پیدا ہوگئی ہے تو بے شک اگلے جہان کے دکھ اور عذاب سے بچنے کیلئے لوگ اپنا جان مال رشتہ دار وغیرہ قربان کرنے کیلئے تیار ہو جائیں گے۔ پس سب سے بڑی تبلیغ اور تغیر جو ہوسکتا ہے وہ احمدیوں کے اخلاق کے ذریعہ اور ان کی روحانیت کے ذریعہ ہوسکتا ہے۔ جب لوگ آپ کے اخلاق اور روحانیت کو دیکھیں گے تو دیوانہ وار آپ کی طرف دوڑیں گے۔ اس لئے ایسا رنگ رکھو کہ لوگ آپ کی طرف کھنچے آئیں۔ اپنے اندر ایک تغیر پیدا کریں اور پاک تبدیلی کریں تا کہ آپ کے اندر بھی نور پیدا ہو۔ اور اَور لوگوں کو بھی ہدایت ہو اور فائدہ ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں میں ایک پاک تبدیلی پیدا کرے اور آپ کو ہر دکھ سے نجات دے، آمین۔ ☆☆☆

۔۔۔۔منظوم کلام۔۔۔۔

حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد

خلیفة المسیح الثانی رضی اللہ عنہ

میں نے مانا میرے دلبر تیری تصویر نہیں
تیرے دیدار کی کیا کوئی بھی تدبیر نہیں

سب ہی ہو جائیں مسلماں تیری تقدیر نہیں
یا دعاؤں میں ہی میری کوئی تاثیر نہیں

دل میں بیٹھے کہ سمائے میری آنکھوں میں تُو
میری تعظیم ہے اس میں تیری تحقیر نہیں

ہے قیادت سے بھی پُر لطف اطاعت مجھ کو
ہوں تو مَیں پیر مگر شکر ہے بے پیر نہیں

کوئی دشمن اُسے کرسکتا نہیں مجھ سے جُدا
ہے تصور ترا دل میں کوئی تصویر نہیں

ان کی جادو بھری باتوں پہ مرا جاتا ہوں
قتل کرتے ہیں مگر ہاتھ میں شمشیر نہیں

جس کی تھی چیز اُسی کے ہی حوالے کردی
دے کے دل خوش ہوں مَیں اس بات پہ دلگیر نہیں

جس پہ عاشق ہوا ہُوں مَیں وہ اسی قابل تھا
خود ہی تم دیکھ لو اس میں میری تقصیر نہیں

روحِ انسانی کو جو بخشے جِلا ہے اکسیر
مِس کو چُھو کر جو طلاء کردے وہ اکسیر نہیں

پیشگوئی مصلح موعود کی عظیم الشان باون علامات

پیشگوئی مصلح موعود بڑی تفصیلی ہے جس سے ظاہر ہے کہ آنے والا کئی قسم کی خصوصیات کا حامل ہوگا۔ چنانچہ اگر اس پیشگوئی کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس پیشگوئی میں آنے والے موعود کی مندرجہ ذیل علامات بیان کی گئی ہیں (بحوالہ ہفت روزہ بدر قادیان 4-11 فروری 2010)

1. پہلی علامت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ قدرت کا نشان ہوگا
2. وہ رحمت کا نشان ہوگا
3. وہ قربت کا نشان ہوگا
4. وہ فضل کا نشان ہوگا
5. وہ احسان کا نشان ہوگا
6. وہ صاحب شکوہ ہوگا
7. وہ صاحبِ عظمت ہوگا
8. وہ صاحبِ دولت ہوگا
9. وہ مسیحی نفس ہوگا
10. وہ روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا
11. وہ کلام اللہ ہوگا
12. یہ کہ خدا تعالیٰ کی رحمت اور غیوری نے اسے اپنے کلمہ ءتمجید سے بھیجا ہوگا
13. وہ سخت ذہین ہوگا
14. وہ سخت فہیم ہوگا
15. وہ دل کا حلیم ہوگا
16. وہ علوم ظاہری سے پُر کیا جائے گا
17. وہ علومِ باطنی سے پُر کیا جائے گا
18. وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا
19. دوشنبہ کا اس کے ساتھ خاص تعلق ہوگا۔
20. وہ فرزند دلبند ہوگا
21. وہ گرامی ارجمند ہوگا
22. وہ مظہر الاوّل ہوگا
23. وہ مظہر الآخر ہوگا
24. وہ مظہر الحق ہوگا
25. وہ مظہر العلا ہوگا
26. وہ کَاَنَّ اللّٰہَ نَزَلَ مِنَ السَّمَآءِ کا مصداق ہوگا
27. اس کا نزول بہت مبارک ہوگا۔
28. اس کا نزول جلالِ الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا
29. وہ نور ہوگا
30. وہ خدا کی رضا مندی کے عطر سے ممسوح ہوگا
31. خدا اس میں اپنی روح ڈالے گا
32. خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا
33. وہ جلد جلد بڑھے گا
34. وہ اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا
35. وہ زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا
36. قومیں اس سے برکت پائیں گی
37. وہ نفسی نقطہ آسمان کی طرف اٹھایا جائے گا
38. وہ دیر سے آنے والا ہوگا
39. دُور سے آنے والا ہوگا
40. وہ فخرِ رسل ہوگا
41. اس کی ظاہری برکتیں تمام زمین پر پھیلیں گی
42. اس کی باطنی برکتیں تمام زمین پر پھیلیں گی
43. یوسف کی طرح اس کے بڑے بھائی اس کی مخالفت کریں گے۔
44. بشیر الدولہ ہوگا
45. وہ شادی خاں ہوگا
46. وہ عالم کباب ہوگا
47. حسن واحسان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نظیر ہوگا
48. وہ کلمۃ العزیز ہوگا
49. وہ کلمۃ اللہ ہوگا
50. وہ ناصر الدین ہوگا
51. وہ فاتح الدین ہوگا
52. باونویں علامت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ بشیر ثانی ہوگا

''علومِ ظاہری اور باطنی سے پُر کیا جائے گا''

لطف الرحمٰن محمود

1۔علم کا یقینی، دائمی اور لازوال منبع ومخزن

اللہ تعالیٰ کی ذاتِ قدیم کے 100 کے لگ بھگ اسمائے الحسنٰی یعنی صفاتِ الٰہیہ ہیں۔ان میں سے ایک نام العلیم ہے۔الحکیم، الخبیر، اللطیف، عالم الغیب والشھادہ ایسے اسماء الحسنٰی ہیں جن کا صفتِ علیم سے گہرا تعلق ہے۔قرآن کریم کی پہلی وحی میں اقراء، علم یعنی تعلّم وتدریس، قلم کا ذکر موجود ہے(سورۃ العلق آیات 2 تا 6)۔پھر سورۃ البقرۃ کی ابتداء میں وارد ہونے والے حروفِ مقطعات ''الٓمٓ'' کے ذریعے انا اللہ اعلم کا اعلان کیا گیا ہے۔خدائے علیم واعلم کی ذاتِ اقدس ہی علم کا یقینی، دائمی اور نہ ختم ہونے والا منبع ومخزن ہے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں علم ودیعت کرنے کی نسبت بار بار اللہ تعالیٰ کی طرف مرتکز ومنعطف ہوئی ہے۔اللہ تعالیٰ نے انبیاء ومرسلین اور مامورین کو علم عطا کرنے کا کئی مقامات پر ذکر فرمایا ہے: حضرت آدمؑ(سورۃ البقرۃ آیت32) ٗحضرت موسیٰؑ (القصص آیت15) ٗحضرت لوطؑ (سورۃ الانبیاء آیت 75) ٗاسرائیل کے پہلے بادشاہ طالوت(البقرۃ آیت 248) حضرت داؤدؑ وسلیمانؑ(سورۃ النمل آیت16) ٗحضرت یحییٰؑ (سورۃ مریم آیت13) ٗحضرت عیسیٰ بن مریمؑ (سورۃ آل عمران آیت49)۔ یہ فضل وکرم زمرۂ انبیاء میں سب سے بڑھ کر رسولِ امّی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا۔قرآن کریم جو بے شمار علوم کا سرچشمہ ہے اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمانیت کی خاص تجلی کے تحت حضرت نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کو سکھایا گیا۔ اَلرَّحْمٰنُ O عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ O(سورۃ الرحمٰن آیات 3,2)۔نیز ملاحظہ فرمائیے۔سورۃ الجمعہ آیت3۔

اللہ تعالیٰ کی ایک شان اس کے عالم الغیب والشھادہ ہونے سے ظاہر ہوتی ہے۔قرآن کریم کی متعدد آیات میں اس صفت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔کہیں علم غیب کی مفاتح (چابیوں) کا ذکر ملتا ہے۔اور یہ اعلان کہ بحر وبر میں جو کچھ ہے اسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے(سورۃ الانعام آیت 60)۔کہیں آسمانوں اور زمین کے پوشیدہ رازوں کے علم کا حوالہ دیا گیا(سورۃ ھود آیت124)۔

اللہ تعالیٰ اپنے علم غیب میں سے بعض اطلاعات اپنے نبیوں، رسولوں اور ماموروں کو عطا کرتا ہے۔اس قسم کے انکشافات سے وابستہ حکمتوں کے کئی پہلو ہیں۔ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کے علمِ غیب کی وسعت وعظمت کا ادراک ہوتا ہے۔دوسری طرف یہی علم پیش گوئیوں کی صورت میں انبیاء مرسلین کی صداقت کی دلیلوں میں ڈھل جاتا ہے۔پھر یہی پیشگوئیاں ظہور کے بعد اہلِ ایمان کیلئے ازدیادِ ایمان کا باعث بن جاتی ہیں۔

مکرّر عرض ہے کہ تمام علوم کا حقیقی اور نہ ختم ہونے والا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کا وجود ہی ہے۔ایک پنجابی صوفی شاعر نے یہ سچائی درج ذیل الفاظ میں بیان کی ہے ؏

''اِکّو الف ترے درکار''

یعنی اے انسان تجھے صرف معرفتِ الٰہی کی ضرورت ہے۔اس معرفتِ حق سے عرفان نفس کے دروازے خود بخود وا ہو جاتے ہیں۔حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے اس مصرعہ کی درج ذیل عارفانہ اصلاح فرمائی ہے ؏

''اِکّو **الف** تے **دے** درکار''

یعنی تکمیل علم ومعرفت کیلئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت ہے۔فیضانِ رسالت کی یہ برکت درجہ بدرجہ، امام وقت تک پہنچتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ امام الزمانؑ کی شناخت سے محروی کو ''جاہلیت کی موت'' سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ حقیقی علم کی شمع، روحانی آکسیجن کی عدم موجودگی میں آخر کار بجھ جاتی ہے۔قرآن کریم ایسی عظیم الشان کتاب ہے کہ اس میں اہلِ ایمان کو رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا کی دعا تعلیم کی گئی ہے(سورۃ طٰہٰ آیت115)۔ازلی وابدی خدا کے علم کا بحرِ ذخّار ہمیشہ سے رواں دواں ہے اور ہمیشہ جاری و ساری رہے گا۔کوثر کی سلسبیل عطا کرنے والے علیم وخبیر ربِ کریم سے علم مانگنے والے ہمیشہ سیراب ہوتے رہیں گے۔

2۔علوم کی مختلف شاخوں اور قسموں میں تقسیم

علوم کی بے شمار شاخیں ہیں۔عہدِ حاضر کی علمی ترقی اور وسعت کے نتیجے میں علم کی ایک ایک شاخ مزید کئی شاخوں میں تقسیم ہو چکی ہے کیمسٹری (کیمیا) جو کسی زمانے میں ایک علم سمجھا جاتا تھا اب کئی اقسام میں بٹ چکی ہے بلکہ بعض اور علوم میں اس کا عمل دخل بڑھ گیا ہے۔اس علم میں اتنی تیزی سے وسعت آرہی ہے کہ ایک سال میں یہ علم دوگنا ہو جاتا ہے۔باقی علوم میں بھی تیزی سے وسعت آرہی ہے۔ٹیکنالوجی کے انقلابات اور نئی ایجادات سے اس صورت حال کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔

جسم و مادہ اور روح وحیاتِ آخرت کے حوالے سے ہم علوم کو دو بڑے خانوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

اوّل: ظاہری علوم: ''ظاہری علوم'' یعنی دنیاوی علوم جن کا مادہ (Matter) اور توانائی (Energy) کے ساتھ تعلق ہے یعنی وہ علوم جو کائنات، عناصر، انسان، حیوانات، دنیاوی زندگی، تمدن، حکمرانی، نظم ونسق، نظامِ تعلیم کے حوالے سے نصابی علوم، معاشرے کی ضروریات اور مسائل کے پیشِ نظر معاشرتی علوم، سیاسی علوم، آئین، قانون، بین الاقوامی قانون، صحافت بھی ایک شعبہء علم ہے۔جرنلزم کی بھی اب کئی شاخیں ہیں۔صحت اور امراض کے علاج معالجے کے لحاظ سے میڈیسن اور سرجری کے علوم ہیں۔اب تو ہر حصہء جسم کے علاج کیلئے الگ الگ شعبے ہیں۔ایک زمانے میں محلّے کا حجّام جراح کے فرائض بھی سرانجام دیتا تھا۔وہ ختنے کے علاوہ چھوٹی موٹی سرجری بھی کر لیتا تھا۔اب تو ناک، کان گلے کے الگ الگ ڈاکٹر ہیں۔یہی کیفیت دل، گردے اور جگر کے علاج کی ہے۔حفظانِ صحت اور غذا سے تعلق رکھنے والے علوم کی اپنی شاخیں قائم ہو چکی ہیں۔ذہنی امراض کے علاج کیلئے ماہرینِ نفسیات اور دیگر ماہرین موجود ہیں۔نظامِ شمسی، کائنات کی وسعت اور اس کی تسخیر کی سائنس اور ٹیکنالوجی ایک الگ شاخ ہے۔یہ سب علوم دنیاوی علوم ہیں۔اگرچہ یہ سب معرفتِ الٰہی میں بھی مد ہیں مگر ''علوم ظاہری'' کے تحت آتے ہیں۔

دوم: باطنی علوم۔ علوم باطنی کا تعلق بنیادی طور پر رُوح سے ہے۔عرفانِ نفس اور عرفانِ الٰہی کا باہمی تعلق ہے۔وحی والہام، شریعت، احکام شریعت کے مصالح کا علم اس حوالے سے تفسیر، حدیث، فقہ، علم الفرائض (ورثہ کی تقسیم کا علم)، تصوف، اخلاق، معاملات، عبادات، حقوق اللہ اور حقوق العباد ان علوم کی مختلف شاخیں ہیں۔علوم کی ان شاخوں کے علاوہ حدود وتعزیرات، نجات، حیاتِ آخرت، ادیان کا تقابلی مطالعہ بھی انہی علوم کی شاخیں ہیں۔

ایک بار پھر عرض کروں گا کہ ہر قسم کے علوم کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جیسا کہ اس مضمون کے عنوان میں درج الہامی عبارت سے بھی واضح ہوتا ہے کہ علوم ظاہری اور باطنی اللہ تعالیٰ ہی عطا کرتا ہے۔انبیاء، مرسلین، صلحاء، اتقیاء، اور اولیاء، اللہ تعالیٰ کے اس فیضِ خاص سے حصہ پاتے رہے ہیں اور اب بھی ازدیادِ علم کا یہ دَر کھلا ہے۔دُنیاوی علوم میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے چھینٹے پڑتے رہتے ہیں۔کئی سائنس دان اور محقق جو خدا تعالیٰ کی ہستی کے منکر ہیں مگر کسی ایسی ریسرچ میں منہمک ہیں جس سے خلقِ خدا کو فائدہ پہنچ سکتا ہے، مخلوق کی فلاح کے پیشِ نظر' اُن پر بھی اللہ تعالیٰ کی رحمانیت اور رحیمیت کی پھوار پڑتی رہتی ہے۔کبھی آئندہ ایک الگ مضمون میں سائنسی تاریخ سے ربوبیت کی ایسی تجلیات کی نشاندہی کرنے کی کوشش کروں گا، انشاءاللہ۔

بہت سے خشک مُلّا مولوی یہ سمجھتے ہیں کہ سائنس اور قرآن ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔یہ اُن کے فہم کا قصور ہے۔یا اُن کے نصابِ تعلیم کا فتور ہے۔سچی وحی اور سچی سائنس کبھی ایک دوسرے سے متصادم نہیں ہو سکتے۔وحی والہام' اللہ تعالیٰ کا ''کلام'' ہے اور سائنس کے مظاہر اس کا ''کام'' ہے۔اگر خدا ایک ہی ہے تو پھر اس کے کلام اور کام میں تضاد اور تخالف نہیں ہو سکتا۔یہ مشکل تثلیث، ثنویت، یا شرک میں ملوث مذاہب کو پیش آسکتی ہے۔یہ صورتِ حال توحیدِ حقیقی کے پیروکاروں کا مسئلہ نہیں۔یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت کئے جانے والے علوم ظاہری و باطنی باہم متصادم نہیں ہو سکتے۔

3۔عہدِ حاضر کی ایک عظیم پیشگوئی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے علم پا کر بہت سی پیشگوئیاں کیں۔ایک پیشگوئی کا آپؑ نے جماعتِ احمدیہ مسلمہ کے قیام سے 3 سال قبل اعلان فرمایا۔یہ پیش خبری جماعتی لٹریچر اور تاریخ میں ''پیش گوئی مصلح موعود'' کے نام سے مشہور ہے۔حضورؑ نے 20 فروری 1886 کو یہ اشتہار تحریر فرمایا جو امرتسر کے اخبار ریاضِ ہند کی یکم مارچ 1886 کی اشاعت میں ضمیمے کے طور پر شائع ہوا۔اس اشتہار میں پسرِ موعود کی روحانی، جسمانی، ذہنی، قلبی نیز دُنیاوی برکات سے تعلق رکھنے والی 50 کے لگ بھگ علامات وخصوصیات کا

ذکر کیا۔اس اشتہار کے بعد بھی جن مزید علامات کی اطلاع اللہ جلّ شانہٗ سے ملتی رہی، اُن کا ذکر بھی حضورؑ کے اشتہارات اور تصنیفات میں موجود ہے۔اس پیشگوئی کی عظمت یہ ہے کہ اس میں ایک ایسے فرزندِ موعود کی علامات وخصوصیات بیان کی جارہی ہیں جو اُس وقت دنیا میں موجود ہی نہیں۔انسانی زندگی کی بے ثباتی کی کیفیت سب جانتے ہیں۔''ساماں سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں''ایک معاشرتی سچائی ہے۔حضورؑ کی اپنی عمر اس وقت تقریباً 51 سال تھی۔اُس دور میں اہلِ ہندوستان کی اوسط عمر 42 سال بیان کی جاتی تھی۔خدا لگتی کہیئے کہ اُنیسویں صدی کے ہندوستان کے ایک پس ماندہ دیہاتی ماحول میں مستقبل قریب میں پیدا ہونے والے بچے کی علامات وخصوصیات پورا ہونے کی کیا ضمانت دی جاسکتی تھی؟ ہاں ایک ہی صورت ہے کہ یہ سب کچھ خدائے قادر وقیوم کی طرف سے ہو اور خدا تعالیٰ کی ضمانت اور یقین دہانی ہو کہ ایسا ہی ہوگا! یہ بھی نوٹ کرلیجئے کہ پیشگوئی کے اعلان کے وقت جماعتِ احمدیہ کا سرے سے کوئی وجود ہی نہ تھا کہ بنی بنائی گدی اور پیری مُریدی ہوتی۔تقریباً 3 سال بعد اللہ تعالیٰ کے اذن سے سلسلہء بیعت کی ابتدا ہوئی جس کے ساتھ ہی مخالفت کا طوفان اُٹھ کھڑا ہوا۔پیشگوئی کی بعض علامات ایسی ہیں جنہیں پڑھ کر انسان ورطہء حیرت میں ڈوب جاتا ہے، مثلاً

''اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا''

''زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا''

''قومیں اس سے برکت پائیں گی''

ایک علامت مندرجہ بالا خصوصیات سے بھی بڑھ کر تھی کہ پسرِ موعود''علومِ ظاہری اور باطنی سے پُر کیا جائے گا''۔یہاں علوم کی شُد بُد اور سرسری واقفیت مراد نہیں۔بلکہ علومِ ظاہری و باطنی پر عبور حاصل کرنے کی بات کی جارہی ہے۔یہ وعدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کہ فرزندِ موعود کو علومِ ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا۔یعنی علوم کے نتیجے میں جو روشنی، بصیرت، یقین اور قوتِ استدلال پیدا ہوتی ہے اُس سے پسرِ موعود کو من جانب اللہ نوازا جائے گا۔اور ایسے ہر میدان میں تائیدِ الٰہی اور سلطانِ نصیر کی برکتیں اس کے شاملِ حال ہوں گی۔الہامِ الٰہی میں اس کیفیت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا کہ''خدا کا سایہ اُس کے سر پر ہوگا''۔

یہاں میں آریہ سماج کے ایک لیڈر، پنڈت لیکھرام کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔اس عظیم الشان پیشگوئی کے الفاظ پڑھ کر وہ سیخ پا ہو گیا اور اسلام سے اپنے بُغض کی وجہ سے اس پیشگوئی کے مقابل پر اپنے''پرمیشر''سے علم پاکر، 18 مارچ 1888 کو ایک اشتہار شائع کیا جس میں حضورؑ کے الفاظ کے مخالف الفاظ ڈھونڈ ڈھونڈ کر لکھے۔لیکھرام کی یہ دلآزار عبارت ہمارے جماعتی لٹریچر میں محفوظ ہے۔''علومِ ظاہری اور باطنی سے پُر کیا جائے گا''کے مقابل پر لیکھرام نے لکھا۔کہ ہونے والا لڑکا''علومِ صوری اور معنوی سے قطعی محروم رہے گا''

(تاریخِ احمدیت جلد 1 صفحہ 280 ایڈیشن 2007)

حضورؑ نے لیکھرام اور اسی قسم کے دوسرے معاندین کی ہرزہ سرائی کی تردید میں ایک اشتہار تحریر فرمایا جو یکم دسمبر 1888 کو شائع ہوا۔یہی اشتہار''سبز اشتہار''کہلاتا ہے۔بعض لوگ اب بھی مصلح موعود سے بُغض وعناد کی وجہ سے حضورؓ کے علم وفضل پر بے بنیاد تنقید کرتے ہیں۔ایسے لوگوں نے بدقسمتی سے دشمنِ اسلام لیکھرام کے ناپاک نصیب سے حصہ پایا ہے۔

4۔علومِ ظاہری وباطنی سے استفادہ کے دنیاوی طریقے

اس مرحلے پر' میں یہ پہلو پیشِ نظر رکھنے کی استدعا کرنا چاہوں گا کہ مروّجہ علوم پر عبور حاصل کرنے کا جانا پہچانا طریق تعلیم کی سہولتوں یعنی تعلیمی اداروں' سکولوں' کالج' یونیورسٹی سے درجہ بدرجہ تحصیلِ علم ہے۔دینی تعلیم کیلئے اس مقصد کیلئے وقف مخصوص مدارس، مکاتب اور دارالعلوم اُس دور میں بھی موجود تھے اور اب تو اُن کی تعداد ہزاروں تک جا پہنچی ہے۔روحانی میدان میں تصوّف وسلوک کے مختلف سلسلوں سے استفادہ کا راستہ موجود تھا۔اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ کے تحت، فرزندِ موعود کو ان سہولتوں اور ذرائع سے مستفیض ہونے سے عملاً بے نیاز رکھا۔تا اللہ تعالیٰ کا وعدہ کہ علومِ ظاہری وباطنی سے منجانب اللہ پُر کیا جائے گا' پوری شان سے پورا ہو۔ام المومنین سیدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہؓ کے بطن سے حضرت اقدسؑ کے تین فرزند بلوغت اور اس کے بعد بڑھاپے کی عمر تک پہنچے۔ان میں سے منجھلے بیٹے' حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔(ایک مرتبہ بچپن میں صاحبزادہ صاحب پلنگ پر قلابازیاں لگا رہے تھے۔حضورؑ نے اُس وقت اُن کی والدہ کو بتایا کہ یہ ایم اے کرے گا)۔حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب نے بھی اپنی فیلڈ میں علم، مہارت اور تجربہ حاصل کیا۔اگر حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب بھی دنیاوی علوم کے حصول کیلئے دوسرے ماہرینِ علوم کی طرح کالجوں

اور یونیورسٹیوں سے ڈگریاں حاصل کرتے یا باطنی علوم کیلئے کسی دارالعلوم یا دارالندوہ سے استفادہ کرتے، یا کسی سلسلہ کی خانقاہ سے سندِ تحصیل یا '' خرقہء خلافت'' حاصل کرتے تو ایسا کرنے سے پیشگوئی مصلح موعود کی شان کم ہوجاتی۔ مکرّر عرض کروں گا کہ حکمتِ الٰہی نے پسرِ موعود کو ان اسباب اور تکلّفات سے دُور رکھا۔ ان علوم سے اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر نوازا۔ فرزندِ موعود بھی اپنے والدِ ماجد کی طرح '' دبستانِ محمدؐ '' سے فیضیاب ہوا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا خوب فرمایا ہے

دگر استاد را نامے ندانم
کہ خواندم در دبستانِ محمدؐ

یہی وہ دبستان ہے جس میں علیم وخبیر خدا اُمّیوں کو علم سے مالا مال کرنے پر قادر ہے!

میں یہاں پسرِ موعود کی دُنیوی اور دینی تعلیم کا مختصر سا خاکہ پیش کرنے کی اجازت چاہوں گا۔ حضورؓ نے 1905ء میں تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان سے انٹرنس (میٹریکولیشن) کا امتحان دیا۔ اُس وقت یہ کوئی عظیم الشان تعلیمی ادارہ نہیں تھا۔ قادیان میں میٹرک کے امتحان کا سنٹر بھی نہیں تھا۔ طلبہ کو امتحان کیلئے امرتسر جانا پڑتا تھا۔ جنوری 1898 میں پرائمری سکول کے طور پر اس کی ابتدا ہوئی جلد ہی مڈل کے درجے تک پہنچ گیا اور فروری 1900 میں '' ہائی سکول'' قرار پایا۔ مسیح زماںؑ کی دعائیں، صحابہ کرام اس درسگاہ کے اساتذہ، دارالامان کا دینی معمول اس کے مثبت پہلو تھے۔ عمارت، تدریسی سہولیات اور دیگر پہلوؤں کے لحاظ سے یہ ادارہ ابھی ابتدائی دور سے گزر رہا تھا۔ 1898 میں 41 طلبہ اس سکول میں زیرِ تعلیم تھے۔ حضرت اقدسؑ کی وفات کے سال یعنی 1908 میں طلبہ کی تعداد 190 تھی۔ نصاب حساب، تاریخ، جغرافیہ، عربی، اردو، انگریزی وغیرہ چند مضامین پر مشتمل تھا۔ صاحبزادہ صاحب 1905ء میں، میٹرک کے امتحان میں اردو، عربی وغیرہ مضامین میں پاس ہوئے۔ سکول کے دنوں میں اساتذہ میں سے کسی نے فکرمند ہوکر حضورؑ سے عرض کیا کہ صاحبزادہ صاحب پڑھائی میں کمزور ہیں۔ خاص طور پر حساب کے مضمون میں۔ حضورؑ نے اُنہیں تسلی دیتے ہوئے کہا کہ رعایت اسباب کے طور پر اسے سکول بھیجا جاتا ہے۔ مزید فرمایا کہ '' اس نے نمک مرچ کی دکان نہیں کرنی''، یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے جس کام کیلئے پیدا کیا ہے، وہی اس کے موافق حال استعدادیں بھی عطا فرمائے گا۔

5۔ پیشگوئی کا یہ حصہ کس طرح پورا ہوا؟

مندرجہ بالا ذیلی عنوان کے دو پہلو ہیں:

1۔ علومِ ظاہری اور باطنی سے پُر کیا جائے گا

2۔ ان علوم کا ایمان افروز ظہور، انتشار اور ثبات واعتراف

راقم الحروف علی وجہ البصیرت کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ دونوں پہلو بڑی شان سے پورے ہوئے۔ حضورؓ کی کتابِ زندگی، حالات، مناقب، فضائل، مسائل، مشکلات اور فتوحات سب کچھ ہمارے سامنے ہیں۔ غیر معمولی '' علمی ترقی'' کا پہلو بھی نمایاں نظر آتا ہے۔ علم وفضل کے اس مینار کی بلندی میں تسلسل سے اضافہ ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ علم الیقین اور تفقہ فی الدّین کے عناصر بھی نمایاں ہوتے چلے گئے۔ 1944ء میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پیشگوئی کے ظہور کے انکشاف کے بعد حضورؓ نے ہوشیار پور لدھیانہ، لاہور اور دہلی میں جاکر اعلان فرمایا۔ قادیان میں خطبہ جمعہ میں بھی اس اعلان کو دُہرایا۔ اُسی سال قادیان میں جلسہ سالانہ میں اس موضوع پر تقریر فرمائی جو '' الموعود'' کے عنوان سے شائع ہوئی۔ پیشگوئی کے الفاظ محفوظ ہیں۔ پیشگوئی کے مصداق ہونے کا مدعی بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی تائیدی شہادت بھی موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پسرِ موعود کو علم سے نوازا، تحریر وتقریر کی شکل میں اس علم کے اظہار وبیان کے مواقع بھی مرحمت فرمائے۔ ان علوم کی اشاعت وتشہیر بھی ہوئی اور اب فضل عمر فاؤنڈیشن کی طرف سے '' انوار العلوم'' کے کتابی سلسلے میں موجودہ اور آئندہ نسلوں کیلئے محفوظ کیا جارہا ہے۔ میں چشمِ تصور میں اُس زمانے کو دیکھ رہا ہوں جب ظاہری اور باطنی علوم کے ان شہ پاروں کا دنیا کی مشہور زبانوں میں ترجمہ ہوگا۔ بلکہ بعض تصانیف کا ترجمہ شائع ہوچکا ہے۔

حضورؓ کی تفسیر کبیر کا عربی ترجمہ بھی کتابی شکل میں پیش کیا جارہا ہے۔ اس کی ایک جلد اس وقت میرے سامنے ہے۔ غیر متعصب عرب دانشوران معارف پر عَش عَش کررہے

ہیں۔ضمناً عرض ہے کہ حضورؓ کے مخالفین، ناقدین، حاسدین اور دعویٰ مصلح موعود کے منکرین یا تو دُنیاوی ڈگریوں کے حامل تھے یا مشہور دینی مدرسوں اور اداروں کے فارغ التحصیل تھے اور اِن سنداتِ افتخار پر نازاں مگر جسے مدِّ مقابل ٹھہرایا وہ اس مصنوعی ''اسلحہ'' سے تہی اور بے نیاز تھا مگر خدائے علیم وخبیر نے خودعلوم کی روشنی سے منور فرمایا۔غیر معمولی علمی قدکاٹھ کے باوجود حضورؓ کے ان مخالفوں سے ایسی ایسی علمی لغزشیں ہوئیں کہ اُن ٹھوکروں پر عقل ماتم کرتی ہے۔چاند پر خاک ڈالنے والوں کے منہ پر ہی وہ خاک واپس گرتی ہے۔تکبر بُری بلا ہے۔اس کے بھی کئی شعبے ہیں۔لیکن ہر جالوت اپنی قوت وشوکت، زور بازو اور اسلحہ کی چمک دمک کے باوجود خدا تعالیٰ کے تائید یافتہ داؤدؑ کے ذریعے شکست سے دوچار ہوتا آیا ہے!

اب آیئے مندرجہ بالا دونوں پہلوؤں کے حوالے سے حضورؓ کی زندگی کے ابتدائی دَور کے بعض واقعات کا جائزہ لیتے ہیں۔

1906ء میں رسالہ ''تشحیذ الاذہان'' کا اجراء ہوا۔حضرت صاحبزادہ صاحب نے اس رسالے کی ادارت سنبھالی۔اس وقت حضور کی عمر 17 سال ہوگی۔اس عمر میں بچے ہائی سکول میں پڑھتے ہیں۔حضورؓ نے اس عمر میں اس رسالے میں ٹھوس مضامین لکھے اور آٹھ سال تک اس جریدے کے ایڈیٹر رہے۔1906 کے جلسہ سالانہ میں حضور نے شرک کی تردید میں ''چشمۂ توحید'' کے عنوان سے تقریر کی۔17 سال کی عمر میں جلسہ سالانہ کے انتظام میں ڈیوٹی تو لگائی جاسکتی ہے تقریر کی ذمہ داری نہیں سونپی جاسکتی۔یہ تقریر حضورؓ کی غیر معمولی صلاحیت کا ثبوت ہے۔اس کے بعد بھی حضورؓ جلسہ سالانہ کے موقع پر خطاب فرماتے رہے۔1908ء میں حضورؓ کی تصنیف ''صادقوں کی روشنی کو کون دُور کرسکتا ہے؟'' شائع ہوئی۔ 19 سال کے نوجوان کی یہ پہلی تصنیف تھی۔تصنیف وتالیف کے میدان میں یہ آغاز ایسا مبارک ثابت ہوا کہ حضورؓ کی مطبوعات کی تعداد 250 تک پہنچتی ہے۔اس پر میں آگے چل کر بعض گزارشات پیش کروں گا۔

1912ء میں سلسلہ عالیہ کے چند جیّد علماء کے ساتھ ہندوستان کے بعض مشہور دینی مدارس کے نظامِ تعلیم، نصاب اور طریق تدریس سے آگاہ ہونے کیلئے سفر اختیار فرمایا۔اس مصروفیت سے تحصیلِ علم اور دینی علم کے حوالے سے حضورؓ کی دلچسپی اور سنجیدگی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔دراصل خدا تعالیٰ حضورؓ کو مستقبل کی ذمہ داریوں کیلئے تیار کررہا تھا۔

اسی سال 1912ء میں حضورؓ حج بیت اللہ کے مبارک سفر پر تشریف لے گئے اور اس طرح حضورؓ کو مصر و حجاز میں دینی تعلیم کے نظام کا مطالعہ ومشاہدہ کرنے کا موقعہ ملا۔اس طرح قلب ونظر کے دریچے وا ہوتے چلے گئے۔1913ء میں اخبار ''الفضل'' کا اجراء ہوا۔حضرت صاحبزادہ صاحب اس کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔اس وقت حضورؓ کی عمر 24 سال تھی۔مرکز سلسلہ میں بڑے بڑے جیّد علماء، مصنف، صحافی، قلم کے دھنی اور دانش ور موجود تھے۔حضورؓ خلافتِ ثانیہ کے انتخاب تک اس ذمہ داری کو ادا فرماتے رہے اور اس کے بعد زندگی بھر الفضل سے آپ کا علمی، قلبی اور قلمی تعلق استوار رہا۔

مارچ 1914ء میں منصب خلافت پر متمکن ہونے کے بعد ایک نئے دَور کا آغاز ہوا۔جماعت کی امامت وسیادت کے حوالے سے نئی ذمہ داریوں کے حوالے سے حضورؓ کے شب و روز کا نقشہ ہی بدل گیا۔تجربات، مشاہدات، حلِ مشکلات اور تحریکات کی ایک نئی دنیا سامنے تھی۔یہی کیفیت تائیدات الٰہیہ کے حوالے سے نظر آتی ہے۔یوں لگتا ہے کہ ایک غیبی ہاتھ حضورؓ کے سر پر سایہ فگن ہے۔اس عالم میں علوم کے دروازے کھلتے چلے گئے۔لبوں سے عرفان کے چشمے جاری ہوئے۔دستِ دُعا سے نشانات ہویدا ہونے لگے۔حسن واحسان میں اپنے والدِ ماجد کا نظیر ہونا وقت کے گزرنے کے ساتھ نمایاں ہوتا چلا گیا۔جماعت سے جدا ہونے والی اکثر سعید روحیں جلد ہی پرچم خلافت کے زیر سایہ خیمہ زن ہوگئیں۔بعض بزرگ اپنی عمر، ظاہری علوم، انتظامی تجربہ، جماعتی خدمات، مالی وسعت، دنیاوی عزت ووجاہت سے موازنہ کرکے حضورؓ کو ایک ''بچہ'' کہہ کر یاد کرتے۔مگر ایک بات ان حضرات کی نظر سے اوجھل ہوگئی کہ یہ وہ ''بچہ'' ہے جس کی ولادت سے قبل آسمان نے خبریں دیں۔یہ بچہ وہ ہونہار بروا تھا جس کے چکنے چکنے پات کی آبیاری اور حفاظت فرشتوں کے سپرد تھی۔یہ وہ ''بچہ'' تھا جس کے پاؤں اہلِ نظر کو پالنے سے باہر نظر آتے تھے۔یہ اس زمانے کا وہ ''مسیحی نفس'' تھا جس نے طفولیت اور کہولت میں قوموں کو مخاطب کرنا تھا!!

6۔ مصلح موعودؓ کے علوم ظاہری و باطنی کی چند مثالیں

منصبِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد ''خلیفۃ المسیح'' ہونے کی حیثیت سے تقریباً 52 سال تک حضورؓ کے علوم ظاہری و باطنی کے پھلنے پھولنے، پھیلنے اور پھیلانے کا سلسلہ جاری رہا۔بلکہ اب بھی جاری ہے اور اس کی کئی شکلیں ہیں۔مثلاً حضورؓ کے شاگرد اور خدام، ان علوم کی خوشہ چینی کرکے تحقیق وتدقیق کے ذریعے تصنیف وتالیف کے کام کو آگے بڑھا رہے ہیں۔یہ بھی حضورؓ کے اُن علوم کی توسیع ہی ہے۔حضورؓ کی تصانیف وتالیفات کے تراجم کا ذکر کرچکا ہوں۔حضورؓ کے یہ علوم خطباتِ جمعہ وعیدین، تقاریب میں تقاریر، مجلس شوریٰ کے ارشادات، جماعتی انجمنوں، تنظیموں اور اداروں کی راہنمائی اور ہدایات، اخبارات وجرائد میں مضامین ومقالات، پھر حضورؓ کی خدمت میں پیش کئے جانے والے سوالات، بیرونی

ممالک میں جماعت احمدیہ کے سالانہ جلسوں کیلئے پیغامات، مبلغین سلسلہ کیلئے نصائح اور ہدایات وغیرہ میں ان علوم کا نور موجود ہے۔ حضورؓ انتہائی مصروف شخصیت تھے۔ اتنی مصروفیت کے باوجود مطالعہ اور تصنیف و تالیف کیلئے وقت نکالنا ایک معجزے سے کم نہیں۔ لمبے عرصے تک قادیان میں بجلی کی سہولت بھی موجود نہ تھی۔ مٹی کے تیل (کیروسین) کے لیمپ سے حضورؓ کو الرجی تھی۔ موم بتیاں جلا کر یہ تحقیقی اور تصنیفی کام ہوا۔ درس القرآن اور مجالس عرفان کے نوٹس تیار کئے گئے۔ حضور کی مطبوعہ تقاریر، تصانیف، تالیفات اور تحقیقی مقالات کی تعداد 250 بنتی ہے۔ تفسیرِ قرآن کی جلدیں اور خطباتِ جمعہ و عیدین اس فہرست میں شامل نہیں۔ میں مانتا ہوں ممکن ہے کہ ایک ناول نگار سو یا زاید ناول لکھ دے مگر دیکھا جائے تو ایسا شخص صرف ایک میدان میں قلم گھساتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ اُس کیلئے تاریخ اور انسانی نفسیات کی باریکیوں سے واقف ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح کسی ایک علم کی شاخ کا ماہر، اُس علم کے مختلف پہلوؤں پر آٹھ دس یا زاید کتابیں لکھ سکتا ہے۔ مگر حضورؓ کے ہاں جو وسعت، گہرائی، سب سے بڑھ کر علوم کا تنوع، اور خداداد بصیرت اور بصارت موجود ہے جس کے زور پر حسبِ موقع ہر قدم پر، اسلام، قرآن اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وارد ہونے والے اعتراضات کو دُور کرنا، ایسی خصوصیات ہیں جو حضورؓ کو دیگر پُر نویس (Prolific) مصنفین سے ممتاز کرتی ہیں۔ میں ایک بار پھر یاد کرانا چاہوں گا کہ یہ رشحاتِ قلم اُس شخص کے ہیں جس کا تعلیمی سرمایہ انٹرنس امتحان میں دو مضامین، اور روحانی علوم میں اپنے استادِ محترم کے حلقہ ءدرس میں بیٹھ کر خاموشی کے ساتھ 'چند ماہ تک' قرآن مجید اور بخاری شریف کا درس سننے پر مشتمل ہے۔ کیا اس تعلیمی پس منظر کے حامل کسی اور شخص کی بھی تاریخ سے ایسی مثال پیش کی جاسکتی ہے؟ اب حضورؓ کی تالیفات، تصانیف، مطبوعہ تقاریر و مقالات میں مضمن و مضمر علوم کی چند مثالوں پر نظر ڈال لیجئے:

i۔ روحانیات، الٰہیات اور مابعد الطبیعات (Metaphysics): ہستی باری تعالیٰ، ملائکۃ اللہ، نجات، تقدیرِ الٰہی، حقیقۃ الرویا۔

ii۔ تصوف: ذکرِ الٰہی، منہاج الطالبین، عرفانِ الٰہی، تعلق باللہ وغیرہ۔ حضورؓ نے 1939ء میں سیرِ روحانی کے موضوع پر تقاریر کے ایک سلسلہ کا آغاز فرمایا۔ اس میں تاریخی شاہی تعمیرات مقابر و مظاہر قلعے، باغات، کتب خانے، انہار، نوبت خانے وغیرہ کے حوالوں سے روحانیات کے ایمان افروز پہلو بیان فرمائے۔ یہ تقاریر سالکین حق کیلئے روحانی لذّت کے بروج ہیں۔ تشبیہ و تمثیل کے استخراج کا فن اپنے عروج پر نظر آتا ہے۔

iii۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور تعلیم، نبی کریم ﷺ کے پانچ اوصاف، رحمت اللعالمینؐ، اسوۂ حسنہ، سیرت النبی ﷺ (مجموعہ مضامین)، آنحضرت ﷺ اور امنِ عالم۔

iv۔ تاریخِ اسلام: اسلام میں اختلافات کا آغاز، واقعاتِ خلافتِ علویؓ

v۔ ادیان کا تقابلی مطالعہ: موازنہء مذاہب، اسلام پر مغربی علماء کی نکتہ چینی، اسلام اور دیگر مذاہب، چین کا فلاسفر (کنفیوشس)، مسیحی قانون کا نقص، اسلام اور موجودہ مغربی نظریہ، بہائی فرقہ اور جماعت احمدیہ، بہائی ازم کی تاریخ اور عقاید،

vi۔ بادشاہوں اور شہزادوں کو تبلیغ کیلئے خاص تالیفات: تحفۃ الملوک (والیٔ دکن کو تبلیغ)، دعوت الامیر (شاہِ افغانستان کو دعوتِ حق)، تحفہ شہزادہ ویلز (1922)، تحفہ لارڈ اردن (1931)، **نوٹ:** بادشاہوں اور حکمرانوں کو تبلیغ حضرت نبی کریم ﷺ کی سنت مطہرہ ہے۔ حضور ﷺ نے صلح حدیبیہ کے بعد، قیصرِ روم، شہنشاہِ ایران، شاہِ حبشہ، والیٔ مصر اور دوسرے حکمرانوں کو پیغام اسلام پہنچانے کیلئے تبلیغی خطوط بھجوائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے آقا کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ملکہ وکٹوریہ کو تبلیغ کیلئے دو کتابیں تحریر فرمائیں۔ حضرت مصلح موعودؓ نے بھی اسی سنت پر عمل فرمایا۔ حکمرانوں کو بھی تبلیغ کی۔

vii۔ حضرت مسیح موعودؑ کی خدمتِ اسلام 'سیرت و احوال' حضورؑ کے مشن کا تعارف: مسیح موعودؑ کے کارنامے، احمدیت کا پیغام، سیرت مسیح موعودؑ، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعے ہمیں جو نعمتیں ملی ہیں ان کی عظمت پہچانو، قول الحق، احمدیت یعنی حقیقی اسلام، احمدیت کے اصول، سلسلہ احمدیہ کی تعلیم۔

viii۔ سیاسیات: سیاسی معاملات اور موضوعات حضورؓ کی تصانیف کے دو پہلو ہیں۔ ایک کا تعلق برصغیر پاک و ہند کی تحریکِ آزادی سے ہے۔ مسلمانانِ ہند کے سیاسی مفادات کے حوالے سے حضورؓ قوم کو بار بار مفید ہدایات سے نوازتے رہے۔ سیاسیات کے دوسرے پہلو کا تعلق دوسرے مسلم ممالک کے عوام سے ہے۔ حضورؓ نے اس جہت سے حسبِ موقع اسلامی مفادات کے حق میں آواز اُٹھائی۔ یہ تصانیف بھی حضورؓ کی غیر معمولی سیاسی بصیرت کی آئینہ دار ہیں۔

اسلام اور تعلقاتِ بین الاقوام، ترکِ موالات اور احکام اسلام، ہندو مسلم فسادات اور ان کا علاج، ہندوستان کے موجودہ سیاسی مسئلہ کا حل، نہرو رپورٹ اور مسلمانوں کے مصالح، مسلمانوں کا اہم فرض سائمن کمشن کے متعلق، گول میز کانفرنس اور مسلمانوں کی نمائندگی، پارلیمینٹری مشن اور ہندوستانیوں کا فرض، جماعت احمدیہ اور حکومتِ مجاز کی وفادار۔امت مسلمہ کے بین الاقوامی مفاد کے حوالے سے تصانیف وتالیفات: ترکی کا مستقبل اور مسلمانوں کا فرض(1919)، معاہدۂ ترکیہ اور مسلمانوں کا آئندہ رویہ الکفرُ ملۃٌ واحدہ (مسئلہ فلسطین اور قضیہ اسرائیل (1948)، تقسیم فلسطین کے متعلق روس اور یوایس اے کے اتحاد کا راز۔

ix۔معاشیات واقتصادیات: یہ حضورؓ کی وسعت علم ہے کہ اکنامکس سے تعلق رکھنے والے عناوین پر قرآن وسنت سے روشنی ڈالی ہے۔نظامِ نَو، اسلام کا اقتصادی نظام، اسلام اور ملکیت زمین۔

x۔جماعت کے اندرونی اختلافات پر روشنی: 1914ء میں جماعت لاہور کے عمائدین کی علیحدگی شخصیات کے ذاتی اختلافات کا شاخسانہ تھا جس میں جلد بعد ہی عقاید ونظریات کے اختلاف کی شکل اختیار کر لی۔طرفین نے اس اختلاف کی وضاحت کی ہے۔حضورؓ کی طرف سے بھی اس اختلاف کے موضوع پر وضاحتی لٹریچر موجود ہے۔

آئینہ صداقت، حقیقۃ الامر، اظہارِ حقیقت، حقیقۃ النبوۃ، القول الفصل، پیغام صلح کے چند الزامات کی تردید، مولوی محمد علی صاحب کی کھلی چٹھی کا جواب، مولوی محمد علی صاحب کی تازہ چٹھی کا جواب وغیرہ۔

xi۔خلافت سے وابستہ برکات وحسنات کا تذکرہ: خلافتِ اسلامیہ، منصبِ خلافت، انوارِ خلافت، خلافتِ راشدہ، خلافتِ حقہ اسلامیہ۔

xii۔پاکستان کے مستقبل کے حوالے سے ملک کے وسائل کا تجزیاتی مطالعہ: حضورؓ نے اس حوالے سے کئی اہم تقاریر کیں جسے ملک کے دانش ور طبقے نے بہت سراہا: دفاع۔زراعت صنعت کے لحاظ سے، نباتی، زراعتی، حیوانی اور معدنی دولت کے لحاظ سے، زمینی، فضائی اور بحری دفاعی طاقت کے لحاظ سے

xiii۔متفرقات: حضورؓ نے بعض اچھوتے موضوعات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ان میں سے ہر ایک موضوع اپنی ذات میں علم کی ایک مختلف شاخ سے تعلق رکھتا ہے۔عربی زبان کا مقام السنہ عالم میں، مذہب اور سائنس، فرعونِ موسیٰ، زمین کی عمر، زمانہ گزشتہ میں یورپ میں اسلام

xiv۔علم حدیث: حضورؓ کی اس کتاب کا نام ''حق الیقین'' ہے۔ایک مختصر سے تعارفی نوٹ کا یہاں اضافہ کر رہا ہوں۔حضورؓ نے یہ کتاب 1926 میں لکھنؤ کے ایک شیعہ مصنف، مرزا احمد سلطان کی کتاب ''ہفوات المسلمین'' کے رَدّ میں رقم فرمائی۔جس میں مصنف نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بارے میں احادیث وروایات کو بنیاد بنا کر حضرت نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ پر بطور اعتراض حملے کئے اور مقصد یہ ظاہر کیا کہ بہت سی حدیثیں جھوٹی ہیں لہٰذا کتب احادیث ناقابل اعتبار ہیں۔انہیں جلا دینا چاہیئے۔حضورؓ نے 120 صفحات کی اس کتاب میں حدیث کی اہمیت وافادیت واضح کی ہے، آئمہ حدیث کی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔صحاح ستہ سے بطور اعتراض پیش کی جانے والی احادیث کی ایسی تشریح کی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے یہی واقعات آبدار موتیوں کی طرح چمک اٹھے ہیں۔کتاب میں حضورؓ نے قرآن مجید کی متعدد آیات کریمہ کی ایمان افروز تفسیر وتشریح بھی پیش کی ہے۔اس شیعہ مصنف کے فتنہ انکارِ حدیث کی سازش کا تار پود بکھیر نے کیلئے حضور نے اہلِ تشیع کی کتابِ حدیث اصول کافی اور اُن کے آئمہ کے اقوال بھی پیش کئے ہیں۔اس مختصر سی کتاب کا ایک ایک صفحہ حضورؓ کے تبحر علمی، محبت رسول ﷺ، اس دَور کی اسلامی تاریخ پر مکمل عبور، اور علم حدیث سے گہری واقفیت کا مظہر ہے۔اس کتاب میں تفسیر، فقہ، حدیث، سیرت، تاریخ سب کچھ جمع ہو گیا ہے۔یوں لگتا ہے کہ یہ کتاب کسی امام حدیث کے قلم سے نکلی جس کی علوم حدیث پر گہری نظر ہے۔یہ کتاب حضورؓ کے علوم ظاہری وباطنی کا ایک شہہ کار ہے۔قارئین اسے انوار العلوم جلد 9 میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔(صفحات 279 تا397)

xv۔تفسیر قرآن: تفسیر قرآن کے ذیلی عنوان کو میں نے عمداً آخر میں رکھا ہے کیونکہ اس کا باطنی علوم سے گہرا تعلق ہے۔ لَایَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ۔ (الواقعہ:80) قلب مطہر ہی قرآنی معارف کے انوار کی جلوہ گاہ بنتا ہے۔حضورؓ کی ہزار ہا صفحات پر مشتمل تفسیر کبیر 114 سورتوں میں سے صرف 59 سورتوں پر مشتمل ہے۔آخری طویل علالت سے ذرا پہلے حضورؓ کو ''تفسیر صغیر'' کی شکل میں تفسیری ترجمہ پیش کرنے کی توفیق مل گئی۔حضورؓ کے خطبات، تقاریر، درس قرآن، مجالسِ عرفان اور دیگر خطابات میں جابجا آیاتِ قرآنیہ کی تفسیر موجود ہے۔علماء سلسلہ اور ریسرچ سکالرز اس مواد کو تلاش کر کے محفوظ کر رہے ہیں، انشاءاللہ۔ان سب خزائن سے ایمان ویقین کی محفلیں روشن ہوتی رہیں گی۔

علوم قرآن کے عُشّاق، حضورؓ کے پیش کردہ نکاتِ معرفت کو سراہتے ہیں اور خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔علماء کرامؒ حضورؓ کی تفسیر کے محاسن اور امتیازی خصوصیات پر مقالات لکھ چکے ہیں۔حضرت مصلح موعودؓ کی تفسیر کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ حضورؓ مستشرقین کے اعتراضات کو بیخ وبن سے اکھاڑتے چلے جاتے ہیں۔یہ قرآن مجید اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضورؓ کی بے پناہ محبت وعقیدت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

قرآن مجید سے تعلق رکھنے والی بعض تصانیف بھی ہیں۔ دیباچہ تفسیر القرآن، فضائل القرآن (تقاریر کا مجموعہ) قرآن کریم کی سابقہ الہامی کتب پر فضیلت، قرآن کریم کی فضیلت کے عقلی اور نقلی شواہد، قرآن کریم کو ہی کلام اللہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ قرآن مجید پر ستیارتھ پرکاش کے اعتراضات کی حقیقت، ترتیب قرآن اور استعارات کی حقیقت۔

7۔ علوم ظاہری و باطنی کے حوالے سے چند آراء

مجھے یہاں اس تکلف کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ لیکن بطور مثال ملک و ملّت کی چند ایسی شخصیات کی آراء پیش کرنا چاہتا ہوں، جو علم و فضل، سیاسی بصیرت، تصنیف و تالیف، تعلیم و تدریس، اور سیاست و صحافت کے میدان میں شہرت و عزت کی حامل تھیں۔ اس سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ شرفاء حضور کے علمی مقام و مرتبہ کو کس نظر سے دیکھتے تھے۔ یاد رہے کہ ان حضرات کا جماعت احمدیہ سے مریدانہ تعلق نہیں تھا۔ بلکہ بعض تو عقیدہ اور نقطۂ نظر کے حوالے سے جماعت کے مخالف تھے مگر حق گوئی شرافت، علمیت اور انسانیت کے اس زمرۂ شجاعت کے علمبردار تھے جو آج پاکستان کے تنگ نظر متعصب اور دہشت گرد معاشرے میں دم توڑ چکا ہے۔ اس حوالے سے زمین وطن درحقیقت ''ارضِ عجم'' کہلانے کی مستحق ہے۔

i۔ جناب عبدالقادر ایم۔اے (مورّخ مصنف، ماہر تعلیم، دانش ور، محقق)

حضور نے 1919ء میں مارٹن ہسٹاریکل سوسائٹی کے زیر اہتمام ''اسلام میں اختلافات کا آغاز'' کے موضوع پر تقریر فرمائی۔ محترم عبدالغفار صاحب نے اس جلسہ کی صدارت کی۔ پروفیسر صاحب کے ریمارکس ملاحظہ فرمایئے:

''فاضل باپ کے فاضل بیٹے حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد کا نام نامی اس بات کی کافی ضمانت ہے کہ یہ تقریر نہایت عالمانہ ہے۔ مجھے بھی اسلامی تاریخ سے کچھ شُد بُد ہے اور میں دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ کیا مسلمان اور کیا غیر مسلمان بہت تھوڑے مورخ ہیں جو حضرت عثمان کے عہد کے اختلافات کی تہہ تک پہنچ سکے ہیں اور اس مہلک اور پہلی خانہ جنگی کی اصل وجوہات کو سمجھنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ حضرت مرزا صاحب کو نہ صرف خانہ جنگی کے اسباب سمجھنے میں کامیابی ہوئی بلکہ اُنہوں نے نہایت واضح اور مسلسل پیرائے میں ان واقعات کو بیان فرمایا ہے جن کی وجہ سے ایوانِ خلافت مدّت تک تزلزل میں رہا۔ میرا خیال ہے کہ ایسا مدلّل اسلامی مضمون تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے احباب کی نظر سے پہلے کبھی نہیں گزرا ہوگا۔''

(تاریخ احمدیت جلد4، صفحہ218، ایڈیشن2007)

ii۔ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال (شاعرِ مشرق، ماہر قانون، مصنف، فلاسفر، سیاست دان)

حضورؓ کا ایک لیکچر 3 مارچ 1927 کو مذہب اور سائنس کے موضوع پر اسلامیہ کالج لاہور کے حبیبیہ ہال میں ہوا۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب نے صدارت کی۔ اڑھائی گھنٹے تک حضور نے خطاب فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب کے درج ذیل صدارتی ریمارکس ملاحظہ فرمایئے:

''ایسی پُر از معلومات تقریر بہت عرصہ بعد لاہور میں سننے میں آئی ہے اور خاص کر جو قرآن شریف کی آیات سے مرزا صاحب نے استنباط کیا ہے وہ نہایت عمدہ ہے۔۔۔ میں اپنی تقریر کو زیادہ دیر تک جاری نہیں رکھ سکتا تا مجھے اس تقریر سے جو لذّت حاصل ہو رہی ہے وہ زائل نہ ہو جائے اس لئے میں اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں۔''

(الفضل 15مارچ1927 صفحہ9بحوالہ تاریخ احمدیت جلد4صفحہ577-578ایڈیشن2007)

iii۔ مولانا ظفر علی خان ایڈیٹر ''زمیندار'' (شاعر، مصنف، مذہبی لیڈر)

مولانا ایک دَور میں احرار کے سرپرست اور مدّاح تھے۔ پھر ان کے مخالف ہو گئے اور ان کی خوب خبر لی۔ مولانا جماعت احمدیہ کے بھی مخالف و معاند تھے مگر احرار پر تنقید کرتے ہوئے حق کی گواہی اُن کے لب پر آ گئی۔ فرماتے ہیں:

''احمدیوں کی مخالفت کا احرار نے محض جلب زر کیلئے ڈھونگ رچا رکھا ہے۔ قادیانیت کی آڑ میں غریب مسلمانوں کی گاڑھے پسینہ کی کمائی ہڑپ کر رہے ہیں۔ کوئی ان احرار سے پوچھے بھلے مانسو! تم نے مسلمانوں کا کیا سنوارا۔ کون سی اسلامی خدمت تم نے سرانجام دی۔ کیا بھولے سے بھی تم نے تبلیغ اسلام کی۔ احراریو! کان کھول کر سُن لو۔ تم اور تمہارے لگے بندھے مرزا محمود کا قیامت تک مقابلہ نہیں کر سکتے۔ مرزا محمود کے پاس قرآن کا علم ہے۔ تمہارے پاس کیا خاک دھرا ہے۔ تم میں ہے کوئی جو قرآن کے سادہ حرف بھی پڑھ سکے؟ تم

نے کبھی خواب میں بھی قرآن نہیں پڑھا۔تم خود کچھ نہیں جانتے۔تم لوگوں کو کیا بتاؤ گے۔مرزا محمود کی مخالفت تمہارے فرشتے بھی نہیں کر سکتے۔''

(خوفناک سازش مولفہ مولوی مظہر علی اظہر صفحہ 195-196بحوالہ تاریخ احمدیت جلد6صفحہ513ایڈیشن2007)

iv۔لالہ کنور سین، چیف جسٹس کشمیر

ایک ہندو چیف جسٹس کے تاثرات بھی ملاحظہ فرمائیے۔31 مئی 1934 کو ایک لیکچر حضورؓ نے وائی۔ایم۔سی۔اے ہال لاہور میں ''عربی زبان کا مقام السنہ عالم میں'' کے موضوع پر دیا۔ڈاکٹر برکت علی قریشی ایم اے پی ایچ ڈی پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور نے صدارت کی۔یونیورسٹی اور کالجوں کے پروفیسر صاحب اور دیگر دانش ور حاضر ہوئے۔لالہ صاحب بھی سامعین میں شامل تھے۔حضورؓ کے لیکچر کے بعد چیف جسٹس صاحب نے درج ذیل الفاظ میں حضورؓ کو خراجِ تحسین پیش کیا۔

''جب میں لیکچر سننے کیلئے آیا اس وقت میں نے خیال کیا تھا کہ مضمون اس رنگ میں بیان کیا جائے گا جس طرح پرانی طرز کے لوگ بیان کیا کرتے ہیں۔مشہور ہے کہ کسی عرب سے ایک دفعہ زبانِ عربی کی فضیلت کی وجہ دریافت کی گئی تو اس نے کہا کہ اسے تین وجہ سے فضیلت حاصل ہے۔اس لئے کہ میں عرب کا رہنے والا ہوں۔دوسرے اس لئے کہ قرآن مجید کی زبان ہے۔تیسرے اس لئے کہ جنت میں بھی عربی بولی جائے گی۔میں سمجھتا تھا کہ شاید اس قسم کی باتیں زبانِ عربی کی فضیلت میں پیش کی جائیں گی مگر جو لیکچر دیا گیا وہ نہایت ہی عالمانہ اور فلسفیانہ شان اپنے اندر رکھتا ہے۔میں جناب مرزا صاحب کو یقین دلاتا ہوں کہ میں نے اُن کے لیکچر کے ایک ایک حرف کو پوری توجہ اور کامل غور کے ساتھ سُنا ہے۔اور میں نے اس سے بہت ہی حظ اُٹھایا اور فائدہ حاصل کیا ہے۔مجھے اُمید ہے کہ اس لیکچر کا اثر مدتوں میرے دل پر رہے گا۔میں یہ بھی اُمید کرتا ہوں کہ جن دوسرے احباب نے اس مضمون کو سنا ہے وہ بھی تادیر اس کا اثر اپنے دلوں میں محسوس کریں گے۔''

(تاریخ احمدیت جلد6صفحہ181، ایڈیشن2007)

v۔ملک فیروز خان نون (پاکستان کے ایک مشہور سیاسی لیڈر جنہیں بعد میں وزیر اعظم کی حیثیت سے ملک کی خدمت کا موقع ملا)

قیام پاکستان کے بعد حضور نے نئی مملکت کے مستقبل کے حوالے سے مختلف مقامات پر خیال افروز لیکچر زدیئے۔لاہور میں ایسی 6 تقاریر میں مختلف پہلوؤں کو واضح فرمایا۔وطن عزیز کی اہم شخصیات جسٹس محمد منیر، ملک عمر حیات وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی، سر عبدالقادر، میاں فضل حسین نے ان جلسوں کی صدارت کی۔مینارڈ ہال لا کالج میں منعقد ہونے والے جلسے کی صدارت ملک فیروز خان نون نے کی۔ملک صاحب کے صدارتی ریمارکس کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیے:

''حضرت صاحب کے دماغ کے اندر علم کا ایک سمندر موجزن ہے۔انہوں نے تھوڑے وقت میں ہمیں بہت کچھ بتایا ہے اور نہایت فاضلانہ طریق سے مضمون پر روشنی ڈالی ہے۔''

(الفضل 9دسمبر1947صفحہ اول بحوالہ تاریخ احمدیت جلد10صفحہ409ایڈیشن2007)

vi۔علامہ نیاز فتح پوری (مشہور دانش ور، ایڈیٹر نگار)

علامہ نے تفسیر کبیر کے مطالعہ کے بعد حضورؓ کی خدمت میں تحریر کیا:

''تفسیر کبیر جلد سوم آج کل میرے سامنے ہے اور میں اسے بڑی نگاہِ غائر سے دیکھ رہا ہوں۔اس میں شک نہیں کہ مطالعہء قرآن کا ایک بالکل نیا زاویہء فکر آپ نے پیدا کیا ہے اور یہ تفسیر اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل پہلی تفسیر ہے جس میں عقل و نقل کو بڑے حُسن سے ہم آہنگ دکھایا گیا ہے۔آپ کے تبحر علمی، آپ کی وسعتِ نظر، آپ کی غیر معمولی فکر و فراست، آپ کا حُسن استدلال اس کے ایک ایک لفظ سے نمایاں ہے اور مجھے افسوس ہے کہ میں کیوں اس وقت تک بے خبر رہا۔کاش کہ میں اس کی تمام جلدیں دیکھ سکتا۔کل سورۃ ہود کی تفسیر میں حضرت لوطؑ پر آپ کے خیالات معلوم کر کے جی پھڑک گیا اور بے اختیار یہ خط لکھنے پر مجبور ہو گیا۔آپ نے هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ کی تفسیر کرتے ہوئے عام مفسرین سے جُدا بحث کا جو پہلو اختیار کیا ہے اس کی داد دینا میرے امکان میں نہیں۔خدا آپ کو تادیر سلامت رکھے۔''

(الفضل 17نومبر1963بحوالہ سوانح فضل عمر جلد سوم مرتبہ مولانا عبدالباسط شاھد، صفحہ164,163)

vii۔مولانا غلام رسول مہر (صحافی،مصنف،نقاد اور مورخ)

ان سطور میں حضورؓ کی سیاسی بصیرت کے علاوہ سیرت کے بعض اور پہلوؤں پر بھی روشنی پڑتی ہے اس لئے اسے آخر میں رکھا ہے:

''مجھے ایک دفعہ راتوں رات قادیان جا کر حضرت صاحب سے مشورہ کرنا پڑا۔ وہ منظر اب بھی آنکھوں کے سامنے ہے۔ انسانیت کیلئے ان کے دل میں بڑا درد تھا اور جہاں کہیں مسلم قوم کی بہتری اور بہبودی کا مسئلہ درپیش ہوتا اُن کی قابل عمل تجاویز ہمارا حوصلہ بڑھانے کا موجب بنتیں۔ ایسے موقع پر آپ کا رواں رواں قومی درد سے تڑپ اُٹھتا تھا۔ فرقہ بازی کا تعصّب میں نے اس وجود میں نام کو نہیں دیکھا۔ مرزا صاحب بلا کے ذہین تھے۔ میں نے پاک و ہند میں سیاسی نہ مذہبی لیڈر ایسا دیکھا ہے جس کا دماغ پولیٹیکل پالیٹکس میں ایسا کام کرتا ہو جیسا مرزا صاحب کا دماغ کام کرتا تھا۔ بے لوث مشورہ، واضح تجویز اور پھر صحیح خطوط پر لائحہ عمل یہ ان کی خصوصیت تھی۔ مجھے ان کی وفات کا بڑا صدمہ ہوا۔۔۔افسوس مسلمانوں نے مرزا صاحب کی قدر نہیں کی۔''

(بحوالہ سوانح فضل عمر جلد چہارم صفحہ 541)

8۔ پیشگوئی کے ظہور پر اظہارِ تشکّر

قرآن کریم کا سرسری مطالعہ کرنے والے بھی جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کئی ہزار سال پہلے بھی اس قسم کے معجزات دکھائے۔ حضرت ابراہیمؑ کو قبل از وقت حضرت اسحاقؑ اور ان کے بعد یعقوبؑ یعنی بیٹے اور پوتے کی ولادت کی خوشخبری دی۔ اور پھر انہوں نے اُس بڑھاپے میں بیٹے اور پوتے کو دیکھ لیا (سورۃ الانبیاء آیت 73)۔ حضرت زکریاؑ کے سر کے سفید بالوں اور انکی اہلیہ کی اولاد کے حوالے سے معذوری کا ذکر کرنے کے باوجود انہیں فرزندِ موعود یحییٰؑ عطا کرنے کی خوشخبری دی۔ سورۃ مریم آیات 4 تا 8۔ پھر حضرت مریمؑ کو عیسیٰ مسیحؑ کی ولادت کی خبر دی گئی (سورۃ آل عمران آیت 46)۔ عین ممکن ہے کہ بعض اور انبیاء ومرسلین سے بھی اس قسم کے واقعات ہوئے ہوں مگر قرآن کریم میں انکا ذکر نہ فرمایا گیا ہو۔

ہم جس دور میں رہ رہے ہیں وہ بے دینی، روحانی نابینائی اور شیطانی خطوات واثرات کے فروغ کیلئے بدنام ہے۔ بعض بدقسمت اپنی دہریت کو تہذیب وتمدّن اور روشن خیالی سمجھتے ہیں۔ ان عقل کے اندھوں پر ترس آتا ہے کہ اگر وہ دنیا میں ہدایت سے محروم رہے تو اپنی بدقسمتی سے آخرت میں بھی اندھے ہی اُٹھائے جائیں گے۔ (سورۃ بنی اسرائیل آیت 98)
قرآن کریم گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبیٔ اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم وعرفان کے نور سے منور فرمایا۔ حقیقی طور پر حضورؐ کو ہر قسم کے علوم سے پُر کیا گیا۔ اور حضورؐ کے فیض روحانی کی برکت سے اس کے ظلّ کے طور پر، ایک ایسا نشان ہمارے عہدِ سیاہ فام کی ظلمتوں کو دُور کرنے کیلئے ایک بار پھر عطا کیا گیا۔ مسیح محمدیؑ کے دامن سے وابستگی کے نتیجے میں از سرِنو ایمان ویقین کی تجدید ہوگئی۔ حضور علیہ السلام کی تائید وتصدیق میں ایسے معجزات اور نشانات ایمان کی تازگی اور بالیدگی کا باعث بنتے ہیں۔ یہی کیفیت پیش گوئیوں کی ہے۔ اُن کے پورا ہونے سے ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کی **عظمت** اور قدرت یاد آتی ہے تو دوسری طرف اسلام اور قرآن کی حقانیت پر یقین بڑھتا ہے اور تیسرا پہلو یہ ہے کہ امام الزمانؑ کے مشن کی صداقت بھی واضح ہو جاتی ہے۔
اسحاق، یعقوب، یحییٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سے ملتا جلتا نشان، اس پیشگوئی کے ذریعے ہمیں اس زمانے میں دکھایا گیا ہے۔ اس عنایتِ ایزدی پر ہم پہ اظہارِ شکر واجب ہے۔ شکر کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس پیشگوئی کا ذکر کیا جائے۔ یاد رہے کہ اظہارِ شکر کے ساتھ برکات میں اضافہ کرنے کا وعدہ ہے۔ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (سورۃ ابراھیم آیت 8) اس کے بھی کئی پہلو ہیں۔

i۔ پیشگوئی کے مقاصد کی تکمیل کا دائرہ وسیع ہوگا

ii۔ حضورؓ کے ظاہری اور باطنی علوم جو تفسیر قرآن، دیگر مطبوعات، خطبات، اور دوسرے ارشادات کی شکل میں محفوظ ہیں۔ اُن کے تراجم حضور کے شاگردوں کے ذریعے اکنافِ عالم میں مزید پھیلیں گے۔

iii۔ حضورؓ کی قائم کردہ تنظیمیں، مجالس، اور جاری کردہ سکیمیں پہلے سے بڑھ کر کامیابیوں سے ہمکنار ہوتی رہیں گی۔ یہ سدا بہار شجرِ احمدیت ان شیریں پھلوں سے لدا رہے گا۔

iv۔ برکات وحسنات کی توسیع سے افراد جماعت میں انفرادی اور اجتماعی تقویٰ کا معیار بلند سے بلند تر ہوتا رہے گا اور اس کے نتیجے میں نعمتِ خلافت کا دوام واستحکام یقینی ہوتا چلا جائے گا، انشاء اللہ۔

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ اور علم قرآن

حافظ مظفر احمد

رجال فارس کے ذریعہ علوم قرآن کے ظہور کی پیشگوئی

سورۃ جمعہ کی ابتدائی آیات میں ذکر ہے کہ خدائے قدوس نے روئے زمین پر اپنی بادشاہت قائم کرنے کے لئے اپنے برگزیدہ نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ جس نے انہیں اس کی آیات پڑھ کر سنائیں۔ کتاب اور حکمت سکھائی اور پاک کیا جبکہ اس سے پہلے وہ ایک کھلی گمراہی میں تھے۔ وہی غالب اور حکیم خدا آخرین یعنی ایک دوسری قوم میں جو ابھی ان سے نہیں ملی (بعد میں آنے والی ہے) دوبارہ رسول کی بعثت کرے گا جو ان کو کتاب وحکمت سکھا کر ان کا تزکیہ کرے گا۔

سورۃ جمعہ کی ان آیات کے نزول پر صحابہ نے پوچھا کہ ''وہ آخرین کون لوگ ہیں؟'' رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''اگر ایمان ثریا ستارے پر بھی ہوا تو ایک فارسی الاصل یا کچھ فارسی مرد اُسے واپس لائیں گے۔''

(بخاری کتاب التفسیر سورۃ الجمعہ)

دوسری روایت میں ایمان کی بجائے دین اور علم کے الفاظ بھی ہیں یعنی اگر دین اور علم ثریا کی بلندی پر اٹھ گیا تو ابنائے فارس اسے واپس لے آئیں گے۔

(مسلم کتاب الفضائل و مسند احمد جلد 2 ص 420)

یہ پیشگوئی بڑی شان کے ساتھ بانی جماعت احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدی موعودؑ کے ذریعہ پوری ہوئی۔ جن کو بار بار وحی الٰہی سے اس حدیث کا اوّل مصداق ٹھہرایا گیا۔

(حقیقۃ الوحی ص 68 روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 502)

پیشگوئی مصلح موعود اور شرف کلام اللہ

قرآن کی تعلیم وخدمت اور اس کی اشاعت کا فیض عام کسی فرد سے محدود نہیں ہوسکتا۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے پیشگوئی میں رجال فارس کا ذکر فرمایا تھا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ کے بعد اس روحانی مشن کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعاؤں کے طفیل بطور نشان ایک موعود لڑکے کی پیدائش کی بشارت دی۔ تا اس کے ذریعے دین حق کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو۔ نیز اسے ''کلمۃ اللہ'' قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ ''وہ علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا''۔

(مجموعہ اشتہارات جلد 1 صفحہ 95)

حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی زندگی میں واضح فرما دیا کہ وہ موعود فرزند حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد (1889-1965) تھے۔ جو 1914 میں جماعت احمدیہ کے دوسرے خلیفہ منتخب ہوئے اور خود انہوں نے 1944 میں خدا تعالیٰ سے علم پانے کے بعد اسے گواہ ٹھہرا کر اپنے آپ کو اس پیشگوئی کا مصداق اور مصلح موعود قرار دیا۔

(خطبہ جمعہ 28 جنوری 1944)

اس پیشگوئی میں علوم ظاہری سے پُر کئے جانے کے نشان کے متعلّق سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے فرمایا:

''پیشگوئی کے ان الفاظ کا یہ مفہوم ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے علومِ دینیہ اور قرآنیہ سکھلائے جائیں گے اور خدا خود اس کا معلم ہوگا۔ میری تعلیم جس رنگ میں ہوئی ہے وہ اپنی ذات میں ظاہر کرتی ہے کہ انسانی ہاتھ میری تعلیم میں نہیں تھا''۔

امر واقعہ یہ ہے کہ بچپن سے ہی حضرت مصلح موعودؓ کی صحت خراب رہتی تھی۔ آپ کو آشوب چشم کی تکلیف کے باعث مدرسہ کی رسمی تعلیم کے حصول میں بھی دقت رہی۔ پھر خرابی جگر اور تلی بڑھ جانے کے ساتھ بخار اور گلے میں خنازیر کی شکایت بھی ایک عرصہ تک رہی۔ آپ نے حضرت خلیفہ اوّلؓ سے قرآن اور بخاری اس طرح پڑھے کہ وہ پڑھتے جاتے اور آپ سنتے جاتے۔ یا اُن کا درس قرآن سنا اور عربی کے چند رسالے پڑھے۔

(الموعود بحوالہ انوار العلوم جلد 17 ص 565 تا 570)

بظاہر ان نامساعد حالات میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ بھی آپ کو قرآن شریف کے مطالب سے آگاہ فرمایا اور آپ نے ڈنکے کی چوٹ پر یہ اعلان کیا۔

''میں ساری دنیا کو چیلنج کرتا ہوں کہ اگر اس دنیا کے پردہ پر کوئی شخص ایسا ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہو کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اُسے قرآن سکھایا گیا ہے تو میں ہر وقت اس سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔لیکن میں جانتا ہوں آج دنیا کے پردہ پر سوائے میرے اور کوئی شخص نہیں جسے خدا کی طرف سے قرآن کریم کا علم عطا فرمایا گیا ہو۔خدا نے مجھے علمِ قرآن بخشا ہے اور اِس زمانہ میں اُس نے قرآن سکھانے کے لئے مجھے دنیا میں استاد مقرر کیا ہے''۔

(المو عود بحوالہ انوار العلوم جلد17 ص647)

فرشتوں کے ذریعہ قرآنی علوم کی تعلیم

فرشتوں کے ذریعہ قرآن سیکھنے کے روحانی تجربہ کا ذکر کرتے ہوئے سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے فرمایا:

''میں اس جگہ ایک اپنا مشاہدہ بھی بیان کر دینا چاہتا ہوں۔میں چھوٹا ہی تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا۔میں مشرق کی طرف منہ کر کے کھڑا ہوں اور میرے سامنے ایک وسیع میدان ہے۔اس میدان میں اس طرح کی ایک آواز پیدا ہوئی جیسے برتن کو ٹھکور نے سے پیدا ہوتی ہے یہ آواز فضا میں پھیلتی گئی اور یوں معلوم ہوا کہ گویا وہ سب فضاء میں پھیل گئی ہے اس کے بعد اس آواز کا درمیانی حصّہ متمثل ہونے لگا اور اس میں ایک چوکھٹا ظاہر ہونا شروع ہوا جیسے تصویروں کے چوکھٹے ہوتے ہیں کچھ ہلکے سے رنگ پیدا ہونے لگے آخر وہ رنگ روشن ہو کر ایک تصویر بن گئے اور اس تصویر میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ ایک زندہ وجود بن گئی اور میں نے خیال کیا کہ یہ ایک فرشتہ ہے۔وہ فرشتہ مجھ سے مخاطب ہوا اور اس نے مجھے کہا کہ میں تم کو سورہ فاتحہ کی تفسیر سکھاؤں تو میں نے کہا کہ ہاں آپ مجھے ضرور اس کی تفسیر سکھائیں پھر اس فرشتہ نے مجھے سورۃ فاتحہ کی تفسیر سکھانی شروع کی یہاں تک کہ وہ اِیَّا کَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡن تک پہنچا۔یہاں پہنچ کر اس نے مجھے کہا کہ اس وقت تک جس قدر تفاسیر لکھی جا چکی ہیں وہ اس آیت تک ہیں۔اس کے بعد کی آیات کی تفسیر اب تک نہیں لکھی گئی۔پھر اس نے مجھ سے پوچھا کیا میں اس کے بعد کی آیات کی تفسیر بھی تم کو سکھاؤں اور میں نے کہا ہاں۔جس پر فرشتہ نے مجھے اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ اور اس کے بعد کی آیات کی تفسیر سکھانی شروع کی اور جب وہ ختم کر چکا تو میری آنکھ کھل گئی اور جب میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ اس تفسیر کی ایک دو باتیں مجھے یاد تھیں۔لیکن معاً بعد میں سو گیا اور جب اٹھا تو تفسیر کا کوئی حصّہ بھی یاد نہ تھا۔اس کے کچھ عرصہ بعد مجھے ایک مجلس میں اس سورہ پر کچھ بولنا پڑا اور میں نے دیکھا کہ اس کے نئے نئے مطالب میرے ذہن میں نازل ہو رہے ہیں اور میں سمجھ گیا کہ فرشتہ کے تفسیر سکھانے کا یہی مطلب تھا۔چنانچہ اس وقت سے لیکر آج تک ہمیشہ اس سورہ کے نئے نئے مطالب مجھے سکھائے جاتے ہیں۔جن میں سے سینکڑوں میں مختلف کتابوں اور تقریروں میں بیان کر چکا ہوں اور اس کے باوجود وہ خزانہ خالی نہیں ہوا''۔

(تفسیر کبیر جلد اوّل ص6،5)

دینِ حق کا شرف اور نسخ فی القرآن کا عقیدہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت مصلح موعود کے ذریعہ قرآن کریم کی عظمت اور شان کو قائم فرمایا۔آپ نے قرآن کریم میں ناسخ و منسوخ آیات کی موجودگی کے خلافِ شان عقیدہ کی دلائل سے تردید فرمائی۔اور ان آیات کے حل پیش فرمائے جن کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ناسخ یا منسوخ قرار دیا جا رہا تھا۔ علماء ومفسرین نے قرآن کریم میں ناسخ و منسوخ کا عقیدہ تسلیم کرتے ہوئے پانچ سو تک آیات منسوخ قرار دیں جو کلام الٰہی پر ایسا دھبہ ہے۔جس سے اس کے خدا کا کلام ہونے سے ہی اعتبار اٹھ جاتا ہے۔اس عقیدہ کی رو سے

(1) قرآن کی طرف ایسی آیات بھی منسوب کی جاتی ہیں جو اس میں موجود تو نہیں مگر ان پر عمل واجب ہے۔جیسے آیت الرجم۔

(2) عقیدہ نسخ کے مطابق بعض ایسی آیات بھی ہیں جو قرآن میں موجود تو ہیں مگر ان کا حکم منسوخ مانا جاتا ہے۔جیسے لَاۤ اِکۡرَاہَ فِی الدِّیۡنِ (البقرہ 257)

کہ دین میں جبر نہیں۔اس آیت کو آیات جہاد و قتال سے منسوخ سمجھا جاتا ہے

(3) تیسرے ایسی آیات جن کے الفاظ اور حکم دونوں منسوخ ہیں۔جیسے تحویل قبلہ سے متعلق آیات۔

(دیکھیں تفسیر روح المعانی ،اتقان،فوز الکبیر)

یہ عقیدہ کسی قدیم زمانہ جاہلی سے تعلق نہیں رکھتا۔بلکہ آج تک اس کے قائلین بڑے فخر سے یہ عقیدہ بیان کرتے چلے آرہے ہیں۔دور حاضر کے ایک عالم مفتی محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں۔

''جمہور اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ قرآن میں ایسی آیات موجود ہیں۔جنکا حکم منسوخ ہو چکا ہے''۔

(علوم القرآن ص 172)

اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت بانی جماعت احمدیہ کو حکم وعدل بنا کر مبعوث فرمایا۔آپ نے اصولی طور پر اس باطل عقیدہ کی تردید کر کے خدا کے کلام کی حفاظت کا حق ادا کر دکھایا۔پھر آپ کے موعود فرزند حضرت مصلح موعود نے پیشگوئی کے مطابق کلام اللہ کا شرف

قائم کرتے ہوئے نہ صرف اس عقیدہ کا ردّ کیا بلکہ منسوخ سمجھی جانیوالی آیات کی قابل فہم تفسیر سے ان کا معقول اور قابل قبول حل پیش فرمایا۔ حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:۔

''حضرت مسیح موعودؑ نے آکر بتایا کہ شروع سے لے کر آخر تک سارا قرآن قابل عمل ہے۔ بسم اللہ کی 'باءٔ سے لیکر والناس کی 'س' تک قرآن کریم قائم اور قیامت تک کے لئے قابل عمل ہے۔ آپ کے یہ الفاظ مجھے خوب یاد ہیں کہ جب کوئی انسان اس بات کا قائل ہوگا کہ قرآن کریم کے اندر ایسی آیات بھی موجود ہیں جو منسوخ ہیں۔ تو اُسے کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ قرآن کریم پر غور کرے اور سوچے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کی کوشش کرے۔ وہ تو کہے گا کہ جب اس میں ایسی آیات بھی ہیں جو منسوخ ہیں تو میں ان پر غور کرکے اپنا وقت کیوں ضائع کروں۔ ممکن ہے میں جس آیت پر غور کروں مجھے بعد میں معلوم ہو کہ وہ منسوخ ہے لیکن جو شخص یہ کہے گا کہ یہ کلام تمام کا تمام غیر منسوخ ہے اور اس کا ہر شوشہ تک قابل عمل ہے وہ اس کے سمجھنے کی بھی کوشش کرے گا اور اس طرح قرآن اس کی معرفت کی ترقی کا موجب بن جائے گا۔''

(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 97)

نسخ فی القرآن کے ثبوت میں سورۃ بقرہ کی آیت 107 مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ پیش کرکے اس کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ ہم کوئی آیت منسوخ کریں یا بھلا دیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی آیت لیکر آتے ہیں۔ سیدنا حضرت مصلح موعود نے یہ لطیف وضاحت فرمائی کہ یہاں آیت سے مراد قرآنی آیت نہیں بلکہ نشان کے معنے ہیں۔ آپ نے تحریر فرمایا:۔

''اس سے یہ مراد نہیں کہ ہم قرآن کی کسی آیت کو منسوخ کر دیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب ہم کسی نشان کو ٹلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر نشان لے آتے ہیں یا کم سے کم ویسا ہی نشان اور ظاہر کرتے ہیں تا کہ دنیا کے لئے ہدایت کا موجب بنے۔ مفسرین نے اس کے یہ معنے کئے ہیں کہ جب قرآن کی کوئی آیت منسوخ کی جائے تو ویسی ہی آیت اور آجاتی ہے۔ لیکن اگر کتاب ہی کی آیت مراد لینی ہو تو اس آیت کے یہ معنے لینے چاہئیں کہ اگر ہم تورات اور انجیل میں سے کسی حصہ کو منسوخ کریں تو قرآن کریم میں یا تو ویسی ہی تعلیم نازل کر دیں گے یا اس سے بہتر نازل کر دیں گے۔ قرآن کریم کی کوئی آیت منسوخ نہیں نہ قیامت تک منسوخ ہوگی۔''

(تفسیر صغیر صفحہ 24 حاشیہ نمبر 2)

قائلین نسخ سورہ النحل کی آیت 102 کو بھی نسخ کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

''جب ہم کسی آیت کی جگہ دوسری آیت بدلتے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جسے وہ نازل کرتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ تو مفتری ہے''۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کیا خوب فرماتے ہیں:

''تاریخ سے کوئی ایک آیت بھی ثابت نہیں ہوتی جسے بدل کر اس جگہ دوسری آیت رکھی گئی ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو قرآن کے سینکڑوں حافظ جنہوں نے رسول کریمؐ کی زندگی میں قرآن کریم کو حفظ کرلیا تھا اس امر کی شہادت دیتے کہ پہلے ہمیں فلاں آیت کے بعد فلاں آیت یاد کروائی گئی تھی۔ لیکن اس کے بعد اسے بدل کر فلاں آیت یاد کروائی گئی۔ اس قسم کی شہادت کا نہ ملنا بتاتا ہے کہ اس بارہ میں جس قدر خیالات رائج ہیں ان کی بنیاد محض ظنیات پر ہے نہ کہ علم پر۔ میں اس کا منکر نہیں کہ بعض احکام زمانہ نبویؐ میں بدلے گئے ہیں۔ مگر مجھے قرآن کریم کے کسی حکم کی نسبت ثبوت نہیں ملتا کہ پہلے اور طرح ہو اور بعد میں بدل دیا گیا ہو۔ میرے نزدیک جو احکام وقتی ہوتے تھے وہ غیر قرآنی وحی میں نازل ہوتے تھے۔ قرآن کریم میں اترتے ہی نہ تھے۔ اس لئے قرآن کریم کو بدلنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی تھی۔''

(تفسیر کبیر جلد چهارم ص273)

عصمت انبیاء

اسلام کے شرف کا تعلق خدا تعالیٰ کے کلام، اس کے مرسلین و مامورین کی سچائی اور عزت وعظمت کے قیام سے بھی ہے۔ انبیاء کی عصمت اہل اسلام کا مسلمہ عقیدہ ہے لیکن اس مسئلہ سے متعلق بعض قرآنی آیات کے ترجمہ وتفسیر میں مختلف علماء ومفسرین نے ٹھوکر کھائی۔ مثلاً حضرت ابراہیمؑ، حضرت لوطؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت یونسؑ، حضرت ایوبؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ اور خود نبی کریمؐ کے بارہ میں بعض ایسے تراجم یا تفاسیر پائی جاتی ہیں جن سے نہ صرف عصمت انبیاء پر زد پڑتی ہے۔ بلکہ خدا کے پاک کلام پر بھی حرف آتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کا صدیق ہونا:۔ حضرت ابراہیمؑ کے متعلق بائبل کی روایات سے متاثر ہوکر مسلمان علماء کی تفاسیر میں بھی بالعموم تین جھوٹ ان کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ اوّل سورہ صافات:90 کے مطابق حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کے لوگوں سے ایک بحث کے دوران یہ کہا کہ میں سقیم یعنی بیمار ہوں حالانکہ آپ تندرست تھے۔ دوسرے سورہ الانبیاء آیت:64 کے مطابق حضرت ابراہیمؑ نے بت توڑے پھر ان کے توڑنے سے انکار کیا۔ بُت توڑنے کے بعد پوچھنے پر فرمایا کہ سب سے بڑے بت نے یہ کام کیا ہے اور تیسرے انہوں نے اپنی بیوی سارہ کو شاہ مصر سے بچانے کے لئے اپنی بہن قرار دیا۔

(تفسیر طبری جز23ص71)

اس کا اصولی جواب تو سورہ مریم کی آیت 42: میں ہے جس میں حضرت ابراہیمؑ کو صِدِّيقًا نَّبِيًّا یعنی سچا نبی قرار دیا ہے۔ اس کی تفسیر کرتے ہوئے سیدنا حضرت مصلح موعود نے بیان فرمایا کہ ''بائبل ابراہیمؑ کو جھوٹا قرار دیتی ہے۔ پیدائش 13-20/1 کہ اس نے بادشاہ سے ڈر کر اپنی بیوی کو بہن کہا... یہ بیان بالکل غلط ہے۔ ابراہیمؑ صدیق بھی تھا اور نبی بھی تھا۔ یعنی سچ کی اسے اتنی عادت تھی کہ جھوٹ بول ہی نہیں سکتا تھا۔''

(تفسیر کبیر جلد پنجم صفحہ60-261)

حضرت ابراہیمؑ کی طرف منسوب ہونے والے جھوٹوں کی تردید اور ان آیات کی وضاحت کرتے ہوئے آپ نے مزید بیان فرمایا کہ:

(1) اِنِّیْ سَقِیْمٌ'' (الصافات:90) کا یہ مطلب نہیں کہ واقعی بیمار ہوں بلکہ ستاروں کی چال کے اندازہ کے مطابق بیمار ہونیوالا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں'' قرآن کریم بتا چکا ہے کہ ابراہیمؑ ان باتوں پر ایمان نہیں رکھتا تھا مگر اپنی قوم کو شرمندہ کرنے کے لئے اس نے کہا کہ تمہاری جوتش کے اصول سے تو میں بیمار ہونیوالا ہوں۔ مگر دیکھنا کہ خدا تعالیٰ مجھے کیا کیا توفیق دیتا ہے اور تم کو جھوٹا ثابت کرتا ہے۔

(تفسیر صغیر ص 590 حاشیه)

(2) سورہ انبیاء آیت 64 میں بت توڑنے سے حضرت ابراہیمؑ نے انکار نہیں فرمایا بلکہ جیسا کہ آیت میں بَلْ فَعَلَهٗ کے بعد وقف ہے۔ اسے مدنظر رکھ کر آیت کو پڑھا جائے تو آیت کا مطلب صاف اور واضح ہے کہ'' ابراہیمؑ نے کہا آخر کسی کرنیوالے نے تو یہ کام ضرور کیا ہے۔ یہ سب سے بڑا بت سامنے کھڑا ہے۔ اگر وہ بول سکتے ہوں تو ان سے پوچھ کر دیکھو۔

(تفسیر صغیر ص415)

آیت میں وقف نہ کرنے کی صورت میں اس کا حل بیان کرتے ہوئے سیدنا حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:۔

'' دوسرے معنے یہ ہیں کہ ابراہیمؑ اپنی عادت کے مطابق تعریضاً کلام کرتے ہیں کہ نہیں میں نے کیوں کرنا تھا۔ اس نے کیا ہوگا ۔ ایسے کلام سے مراد انکار نہیں بلکہ یہ مراد ہوتا ہے کہ کیا یہ سوال بھی پوچھنے والا تھا میں نہ کرتا تو کیا اس بت نے کرنا تھا۔''

(تفسیر کبیر جلد 5 ص530)

(3) بیوی کو دینی لحاظ سے بہن قرار دینے والی روایت اگر درست بھی ہو تو تعریضی کلام کی ذیل میں آئے گی۔

حضرت لوطؑ اور ان کی بیٹیوں کی عزت و حرمت

سورہ ھود آیت 79 اور النحل آیت 72 میں حضرت لوطؑ کے اجنبی مہمانوں کی آمد پر قوم کے اشتعال میں آنے کا ذکر ہے۔ جس پر حضرت لوطؑ نے فرمایا هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ یہ میری بیٹیاں ہیں جو تمہارے لئے پاکیزہ ہیں۔ ان آیات کی تفسیر میں علماء نے لکھا ہے کہ حضرت لوطؑ کی قوم اجنبی مردوں سے بے حیائی کا ارتکاب کرتی تھی۔ حضرت لوطؑ کے مہمانوں کی آمد پر قوم نے انہیں منع کیا تو آپؑ نے فرمایا یہ میری بیٹیاں ہیں اگر تم یہی کام کرنا چاہتے ہو یعنی لذت اور اپنی خواہش پوری کرنا تو میری بیٹیوں سے شادی کرلو۔ آپ نے بیٹیوں کے بدلہ مہمانوں کو قبیح فعل سے بچانا چاہا۔

(تفسیر مراح اللبید جز اول ص 466)

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:۔

'' حضرت لوطؑ کی دو بیٹیاں اس شہر کے لوگوں میں بیاہی ہُوئی تھیں۔ مسلمان مفسر اس جگہ غلطی سے یہ معنی کرتے ہیں کہ میری لڑکیوں سے اپنی شہوت پوری کرو۔ اور میرے مہمانوں کو نہ چھیڑو۔ یہ ایک خطرناک خیال ہے اور ایک نبی کی ذات پر حملہ ہے۔ آیت کا مفہوم صاف ہے کہ ان لوگوں کو جیسا کہ قرآن مجید اور بائیبل سے ثابت ہے کہ یہ غصّہ تھا کہ لوط اجانب کو کیوں لائے یہ خواہش نہ تھی کہ انہیں اپنی شہوت کا شکار بنائیں۔ اور جیسا کہ بائبل کہتی ہے دولڑکیاں پہلے سے ان میں بیاہی ہوئی تھیں۔ ان کی طرف اشارہ کرنا لوط کو بیوقوف بنانا ہے۔ لوط صرف یہ کہتے تھے کہ ان لڑکیوں کی موجودگی سے تم سمجھ سکتے ہو کہ میں یا میرے مہمان تم سے کوئی غداری نہیں کریں گے۔ پس خواہ مخواہ گھبراتے کیوں ہو۔''

(تفسیر صغیر صفحه 282)

قصہ زلیخاء اور حضرت یوسفؑ کی براءت

حضرت یوسفؑ اور زلیخا کے قصہ میں بھی مفسرین نے خدا کے ایک نبی کی طرف ایسی باتیں منسوب کی ہیں۔ جن کی ایک نبی تو کجا ایک عام خدا ترس انسان سے بھی توقع نہیں کی جاسکتی۔ اور نہ ہی ایسی روایات حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کی طرف صحیح سند سے ثابت ہیں کہ نعوذ باللہ حضرت یوسفؑ نے اس عورت کے ساتھ بدی کا ارادہ کرلیا تھا۔ جیسا کہ ان کے شاگرد مجاہد سے روایت ہے کہ حضرت یوسفؑ زلیخا کے سامنے ایسے بیٹھ گئے جیسے خاوند اپنی بیوی سے ہم صحبت ہوتے ہوئے بیٹھتا ہے۔

(تفسیر طبری جز 12 ص83-184 مطبوعه مصر)

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

''اس آیت میں بتایا ہے کہ عزیز کی بیوی نے حضرت یوسفؑ کے متعلق ایک ارادہ کیا لیکن وہ اسے پورا نہ کرسکی۔ اسی طرح حضرت یوسفؑ نے اس کے متعلق ایک ارادہ کیا لیکن وہ بھی اس ارادہ کو پورا نہ کرسکے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ ....دونوں نے آپس میں بدی کا ارادہ کیا لیکن یہ درست نہیں کیونکہ اس کی نفی پہلی آیت میں ہو چکی ہے۔ وہاں اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے کہ یوسف کو عزیز کی بیوی نے اس کے دلی خیالات کے خلاف پھسلانا چاہا اور اس کی باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ بلکہ اس نے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا اور اس کام کے بدانجام سے اس عورت کو بھی ڈرایا۔ اس آیت کی موجودگی میں ھَمَّ بِھَا کے یہ معنی کسی طرح نہیں کئے جاسکتے کہ یوسف نے اس عورت سے کسی بری بات کا ارادہ کر لیا''۔

(تفسیر کبیر جلد سوم ص 297)

حضرت داؤدؑ پر ایک جرنیل کی بیوی پسند آجانے کا الزام

حضرت داؤدؑ کے بارہ میں مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ان کی خواہش اور دعا کے نتیجہ میں آزمائش کی مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہوئے۔ کہانی کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کی ننانوے بیویاں تھیں۔ ایک جرنیل اھریا کی بیوی کو نہاتے دیکھا تو وہ پسند آگئی۔ اس جرنیل کو محاذ پر بھجوادیا جہاں وہ مارا گیا اور آپؑ نے اس کی بیوہ سے شادی کر لی۔

(تفسیر طبری جز 23 ص 147)

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ سورۃ صٓ آیت 25,24 کی تفسیر میں اصل حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مفسر' کہتے ہیں حضرت داؤد کی ننانوے بیویاں تھیں مگر ایک جرنیل کی بیوی آپ کو پسند آئی انہوں نے جرنیل کو خطرناک مقام پر بھجوادیا تا مارا جائے پھر اس کی بیوی پر قبضہ کر لیا اللہ تعالیٰ نے سبق دینے کے لئے فرشتوں کو بھیجا جنہوں نے نعوذ باللہ یہ دُنبیوں والا جھوٹ بنایا لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت داؤدؑ کی بادشاہت جب لمبی ہوگئی تو ان کے دشمنوں نے سر اٹھانا شروع کیا اور ان کے دشمن گھر میں کود کر آ گئے۔ جب حضرت داؤدؑ کو چوکس پایا تو ڈر گئے کہ ایک آواز پر باڈی گارڈ جمع ہو جائیں گے اور گھبراہٹ میں یہ قصہ گھڑ کر سنایا جس کی تعبیر درحقیقت یہ تھی کہ انہوں نے حضرت داؤدؑ پر الزام لگایا کہ تم طاقتور ہو کر اردگرد کے غریب قبائل کو کھاتے جاتے ہو۔ حالانکہ وہ تعداد میں تھوڑے ہیں۔ اور تم زیادہ ہو۔ حضرت داؤدؑ کا ملک چھوٹا تھا اور ان کے اردگرد کے قبائل عراق تک پھیلے ہوئے تھے جن کی تعداد حضرت داؤدؑ کے قبیلہ کی تعداد سے سینکڑوں گنے زیادہ تھی۔''

(تفسیر صغیر ص598حاشیہ نمبر2)

قصہ ملکہ بلقیس اور حضرت سلیمانؑ کا حسن تبلیغ

حضرت سلیمانؑ کے بارہ میں مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ ملکہ سبا بلقیس سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ جنوں نے اس سے روکنے کے لئے ان کو بتایا کہ اس کے پاؤں پر گدھے کی طرح بال ہیں۔ اس حقیقت کو جاننے کے لئے حضرت سلیمانؑ نے پانی پر ایک شیش محل بنوایا تا کہ ملکہ کی پنڈلیاں دیکھ سکیں۔ پھر آپ نے بال صفا پاؤڈر تیار کیا جس سے اس کے بال دور ہوئے۔

(تفسیر طبری جز 29 ص 168-170)

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ اس آیت کی لطیف تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

''ان باتوں کا نہ تو دین سے تعلق ہے نہ عرفان سے نہ خدا تعالیٰ کے انبیاء ایسے لغو کام کیا کرتے ہیں۔ اصل بات صرف اتنی ہے کہ ملکہ سبا ایک مشرکہ عورت تھی اور سورج پرست تھی۔ حضرت سلیمانؑ چاہتے تھے کہ وہ شرک چھوڑ دے اس کے لئے آپ نے اسے زبانی بھی نصیحت فرمائی مگر پھر آپ نے چاہا کہ عملاً بھی اس کے عقیدہ کی غلطی اس پر ظاہر کریں۔ ...آپ نے ایک ایسا محل تجویز فرمایا۔ جس میں شیشے کا فرش تھا اور اس کے نیچے پانی بہتا تھا۔ جب ملکہ اس کے فرش پر سے گزرنے لگی تو اسے شبہ ہوا کہ یہ پانی ہے اور اس نے جھٹ اپنی پنڈلیوں سے کپڑا اٹھا لیا یا اسے دیکھ کر گھبرا گئی۔ حضرت سلیمانؑ نے اسے تسلی دی کہ ۔۔۔ جسے تم پانی سمجھتی ہو یہ تو دراصل شیشہ کا فرش ہے اور پانی اس کے نیچے ہے۔......اس نے فوراً سمجھ لیا کہ انہوں نے ایک عملی مثال دے کر مجھ پر شرک کی حقیقت کھول دی ہے کہ جس طرح پانی کی جھلک تجھے شیشہ میں نظر آئی ہے اور تو نے اسے پانی سمجھ لیا ہے۔ ایسا ہی خدا تعالیٰ کا نور اجرام فلکی میں سے جھلک رہا ہے۔ چنانچہ اس دلیل سے وہ بڑی متاثر ہوئیں اور بے اختیار کہہ اٹھیں کہ.....اب میں سلیمان کے ساتھ یعنی اس کے دین کے مطابق اس خدا پر ایمان لاتی ہوں۔ جو سب جہانوں کا رب ہے اور سورج اور چاند وغیرہ بھی اسی سے فیض حاصل کر رہے ہیں۔''

(تفسیر کبیر جلد ھفتم ص397-398)

نماز قضاء ہونے پر حضرت سلیمانؑ کا گھوڑوں کو ہلاک کرنا

حضرت سلیمانؑ کے بارہ میں سورۃ صافّات کی آیات (32 تا34) کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی عصر کی نماز گھوڑوں کے معائنہ کی وجہ سے قضاء ہوگئی جس پر انہوں نے گھوڑے ذبح کروا دیئے اور پھر سورج کو حکم دیا تو وہ واپس عصر کے مقام پر آیا اور انہوں نے نماز عصر ادا کی۔

(تفسیر حسینی جلد دوم ص333)

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے ان آیات کی نہایت عمدہ تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:

قرآن کریم میں اِنِّی اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَیْرِ عَنْ ذِکْرِ رَبِّی ہے۔ مفسرین نے کہا ہے کہ گھوڑے دیکھتے ہوئے نماز کا وقت جاتا رہا لیکن اصل مطلب یہ ہے کہ گھوڑوں کو میں نے خدا کی یاد میں خریدا ہے۔ یعنی جہاد کے لئے اور یہی بات نبی کی شایان شان ہے۔ نہ وہ جو کہ مفسرین کہتے ہیں۔ چنانچہ عَــــنْ کے معنی لغت میں ''سب سے'' کے بھی ہیں (اقرب)

قرآن کریم میں مَسَــــحَ کا لفظ ہے۔ جس کے معنے تھپکنے اور کاٹ ڈالنے دونوں کے ہوتے ہیں۔ مفسرین چونکہ ایک غلطی کر چکے تھے اُنھوں نے کاٹ ڈالنے کے معنے کو تھپکنے کے معنے پر ترجیح دی اور آیت کے یہ معنے کر دیئے کہ گھوڑے واپس بلا کر اس غصہ میں کہ ان کے دیکھنے میں نماز جاتی رہی، ان کو کاٹ ڈالا۔ حالانکہ یہ فعل ایک مجنون کا تو ہو سکتا ہے خدا کے نبی کا نہیں ہوسکتا۔ حقیقۃً اس جگہ یہی ذکر ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے گھوڑے واپس بلائے اور چونکہ اُن کو جہاد کے لئے پالا تھا ان کے پٹھوں پر ہاتھ مار کر تھپکنے لگے اور پیار کرنے لگے کہ میں نے ایسے اعلیٰ درجہ کے گھوڑے جہاد کے لئے تیار کئے ہیں۔

(تفسیر صغیر ص600 حاشیہ نمبر 1،2)

حضرت ابراہیمؑ کا پرندے زندہ کرنا

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے مردے زندہ کرنے کا مشرکانہ عقیدہ بھی عوام میں رائج ہے۔ سورۃ بقرہ کی آیت 361 میں حضرت ابراہیمؑ کو چار پرندے پکڑنے کا حکم ہے۔ مفسرین کے مطابق فَصُرْ ھُن سے مراد تھی کہ حضرت ابراہیمؑ ان کو ذبح کر کے ان کا قیمہ باہم ملا دیں اور چار پہاڑوں پر رکھ دیں پھر انہیں آواز دیں تو وہ دوڑے آئیں گے اور یہ بادشاہ نمرود کے مقابل پر مردے زندہ کرنے کا ایک نشان تھا۔

(تفسیر طبری جز 3 ص57)

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ سورۃ بقرہ آیت 261 کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مطلب یہ ہے کہ پہاڑ کی چار چوٹیوں پر چار پرندے بٹھا دو۔ جزء کے معنے ایک پرندے کے ٹکڑے کے نہیں بلکہ چاروں پرندوں کا جز مراد ہے جو ایک کا عدد ہے۔ قرآن کریم میں ایک اور مقام پر اسی محاورہ میں جزء کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ فرماتا ہے۔ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۙ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ''

(الحجر :44،45)

یعنی جہنم سب کفار کے لئے مقرر جگہ ہے۔ اس کے دروازے ہیں اور ہر دروازہ کے لئے کفار کا ایک حصہ مقرر ہوگا۔ اس جگہ بھی جزء کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ لیکن کوئی یہ معنی نہیں کرتا کہ کفار کا قیمہ کر کے ان کے قیمہ کا تھوڑا تھوڑا حصہ سب دروازوں میں سے ڈال دیا جائے گا۔ بلکہ سب مفسر متفق ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ کچھ کافر ایک دروازے سے جائیں گے۔ کچھ دوسرے سے کچھ تیسرے سے۔ اس طرح سب دروازوں سے اپنی اپنی سزا کے مطابق داخل ہوں گے۔ انہی معنوں میں جزء آیت میں استعمال ہوا ہے۔ اور مراد ہر پرندے کا جز نہیں بلکہ چار کا جز ہے اور وہ ایک ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہر چوٹی پر ایک ایک پرندہ رکھ دو۔

(تفسیر صغیر 71-70)

پھر حضور نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ عقلاً بھی اس آیت کے ظاہری معنے کرنے میں بہت سے اعتراض پیدا ہوتے ہیں۔ اوّل مردے زندہ کرنے کے نشان سے پرندوں کو سدھانے کا کیا تعلق؟ دوسرے چار پرندے کیوں جبکہ ایک سے ہی غرض پوری ہو سکتی ہو۔ تیسرے پہاڑوں پر رکھنے کا کیا؟ جبکہ کیا کسی اور جگہ رکھنے سے کام نہ چلتا تھا؟ پھر خود حضور اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

''حقیقت یہ ہے کہ یہ ظاہری کلام نہیں بلکہ مجازی کلام ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ الٰہی احیاء موتٰی کا جو کام تو نے میرے سپرد کیا ہے۔ اسے پورا کر کے دکھا ....اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو چار پرندے لے کر سدھا یعنی اپنی اولاد میں سے چار کی تربیت کر و تیری آواز پر لبیک کہتے ہوئے اس احیاء کی تکمیل کریں گے۔ یہ چار روحانی پرندے حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ ہیں۔ ان میں سے دو کی حضرت ابراہیمؑ نے خود براہ راست تربیت کی اور دو کی بالواسطہ۔ پہاڑ پر رکھنے کے معنے بھی یہی تھے۔ کہ ان کی نہایت اعلیٰ تربیت کر۔ ـ۔ پہاڑ پر رکھنے میں ان کے رفیع الدرجات ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ چار پرندوں کو علیحدہ علیحدہ چار پہاڑوں

پر رکھنے کے یہ معنے تھے کہ یہ احیاء چار علیحدہ علیحدہ وقتوں میں ہوگا۔‘‘

(تفسیر کبیر جلد دوم ص603)

حضرت مسیحؑ کا پرندے اور مردے زندہ کرنا

حضرت عیسیٰؑ کے بارہ میں مفسرین نے مٹی سے پرندہ پیدا کرنے اور مردے زندہ کرنے کا مفہوم مائدہ آیت 111 سے نکالنے کی کوشش کی۔

(صفوۃ التفاسیر جلد اوّل ص373و قرطبی و طبری جز 3ص275)

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

’’مفسرین کہتے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیحؑ مردے زندہ کرتے تھے حالانکہ قرآن کریم میں صاف لکھا ہے کہ مُردے سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی زندہ نہیں کرتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَآاِلٰهَ اِلَّاهُوَ يُحْيِ وَ يُمِيتُ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ (دخان آیت نمبر9) کہ خدا تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں وہی زندہ بھی کرتا ہے اور مارتا بھی ہے اور وہ تمہارا بھی ربّ ہے اور تمہارے باپ دادوں کا بھی ربّ تھا۔ اسی طرح فرماتا ہے۔ اَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَ هُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (شوریٰ آیت نمبر 10) یعنی کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو پناہ دینے والا تجویز کرلیا ہے۔ پس یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہی پناہ دینے والا ہے اور وہی مردے زندہ کرتا ہے اور وہ اپنے ہر ارادہ کو پورا کرنے پر قادر ہے۔ پس قرآن کریم کے رُو سے خدا تعالیٰ ہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے۔ ہاں مردے زندہ کرنے کا لفظ رسول کریم ﷺ کے لئے آتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ يَـٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ (الانفال آیت25) یعنی اے مومنو! جب خدا اور اس کا رسول تم کو زندہ کرنے کے لئے بلائیں تو ان کی بات مان لیا کرو۔ یہاں مفسرین یہ معنے کر دیتے ہیں کہ روحانی تربیت کے لئے بلائیں تو خدا اور رسول کی بات کا جواب دیا کرو لیکن جب مسیحؑ کی نسبت یہی احیاء کا لفظ آتا ہے تو اس کے معنے یہ کرتے ہیں کہ وہ سچ مچ کے مردے زندہ کیا کرتے تھے اور اس طرح اس کو خدا قرار دیتے ہیں اور عیسائیوں کی مدد کرتے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔‘‘

(تفسیر صغیر ص161 حاشیہ نمبر2)

نبی کریمؐ کی بلند شان اور مقام

خود نبی کریمؐ کے بارہ میں بھی مفسرین نے بعض افسانے ضعیف روایات سے متاثر ہو کر منسوب کر دیئے ہیں۔

(1) چنانچہ سورۃ تحریم کی ابتدائی آیت کہ اے نبی! تو اسے کیوں حرام کرتا ہے جسے خدا نے تیرے لئے حلال کیا۔ کے بارہ میں مفسرین نے لکھا ہے کہ نبی کریمؐ کی باری حضرت حفصہؓ کے ہاں تھی۔ وہ والد سے ملنے گئیں تو حضرت ماریہ قبطیہ کو نبی کریمؐ کے ساتھ اپنے کمرے میں دیکھا اور ان کے چہرے پر غصہ کے آثار دیکھ کر کہا کہ عائشہؓ سے اس بات کا ذکر نہ کریں مگر انہوں نے بتادیا اور حضرت عائشہؓ کے اصرار پر آپ نے قسم کھائی کہ کبھی حضرت ماریہ کے قریب نہ جائیں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورہ اتاری۔

(تفسیر فتح البیان جز 9صفحہ432)

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ اس کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

’’رسول کریم ﷺ کو ایک دفعہ ایک بیوی نے جس کے گھر باری تھی شہد کا شربت پلایا جو آپ کو پسند تھا۔ اس وجہ سے آپ ﷺ دیر تک اس کے ہاں ٹھہرے۔ دوسری بیویوں کو یہ برا لگا۔ ایک بیوی نے جسے شہد شاید پسند نہ تھا۔ آپ ﷺ سے کہا یا رسول اللہ آپ ﷺ کے منہ سے بُو آتی ہے۔ آپ ﷺ بہت نازک طبع تھے آپ ﷺ نے دل میں عہد کیا کہ آئندہ شہد نہیں پئیں گے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں اور کہا گیا کہ شہد کو خُدا تعالیٰ نے اچھا قرار دیا ہے کسی بیوی کی خاطر اس کا ترک بُری بات ہے۔

بعض مفسرین نے اس آیت کی بہت گندی تفسیر کی ہے۔ یعنی یہ کہ آپ نے حضرت ماریہؓ سے جو آپ کی لونڈی تھی صحبت کی اور پھر یہ بات ایک بیوی سے عہد لے کر بتادی۔ اس نے دوسری بیویوں کو بتادیا اور یہ بات پھیل گئی۔ یہ سب قصہ غلط ہے اور رسول کریم ﷺ کو بدنام کرنے کے لئے گھڑا گیا ہے۔ صحیح واقعہ وہی ہے جو ہم نے لکھا ہے۔ آپ نے ایک بیوی کے ہاں شہد پیا اور دوسری بیوی کو دیر کی وجہ بتائی۔ اس پر اس نے اور اس کی کسی سہیلی نے سمجھا کہ شہد تو بعض دفعہ بدبودار بوٹیوں کا بھی ہوتا ہے۔ آپ سے کہنا چاہیئے کہ شہد سے بعض دفعہ بو آتی ہے اس سے آپ اس بیوی کے ہاں زیادہ جانا چھوڑ دیں گے۔ اس واقعہ کا اس جگہ ذکر ہے۔‘‘

(فتح البیان جلد9 تفسیر صغیر ص 755)

(2) اس سورۃ کی آیت5 کے بارہ میں بھی مترجمین و مفسرین نے غلطی کھائی اور نبی کریمؐ کی ازواج مطہرات کی طرف بعض اعتراض منسوب کئے اس کی تردید کرتے ہوئے سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے تحریر فرمایا:

’’مفسرین نے پھر یہاں غلطی کی ہے اور معنی یہ کئے ہیں کہ تمہارے دل ٹیڑھے ہوگئے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تمہارے دل تو پہلے ہی توبہ کی طرف مائل ہیں۔ لغت میں لکھا ہے صغیٰ الیہ کے معنی ہیں مال (مفردات راغب) پس

فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْ بُکُمَا کے معنی یہی ہو سکتے ہیں کہ تمہارے دل تو پہلے ہی توبہ کی طرف مائل ہیں۔ نہ معلوم مفسرین کو یہ کیوں شوق ہوا کہ ازواج مطہرات کو، جن کے متعلق خدا تعالیٰ فرما چکا ہے کہ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا (سورۃ احزاب آیت 34)، گندہ قرار دیں۔ شاید کسی شیعہ نے تفسیروں میں یہ بات لکھ دی ہے کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ اہل بیت صرف حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ اور آپ کے بچے ہیں۔ بیویاں اہل بیت نہیں۔ حالانکہ قرآن کریم نے حضرت ابراہیمؑ کی بیوی کو اہل بیت قرار دیا ہے"۔

(تفسیر صغیر ص 756)

(3) سورۃ احزاب آیت 38 میں حضرت زیدؓ کے حضرت زینبؓ کو طلاق دینے پر رسولؐ اللہ کا ان سے نکاح کا ذکر ہے۔ اس بارہ میں مفسرین کہتے ہیں کہ رسول کریمؐ نے حضرت زینبؓ کو اس حال میں دیکھا کہ ان کی محبت آپ کے دل میں گھر کر گئی۔ نبی کریمؐ خواہش رکھتے تھے کہ زیدؓ سے علیحدگی کی صورت میں آپؐ زینب سے نکاح کر لیں۔ مگر زیدؓ کو یہی کہتے رہے کہ بیوی کو طلاق مت دو۔ اور لوگوں سے ڈرتے تھے حالانکہ اللہ سے ڈرنا زیادہ مناسب تھا۔

(تفسیر طبری جز 22 ص 12,13)

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:

"بعض مفسرین کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ دل میں حضرت زینبؓ کو نکاح میں لانے کا ارادہ رکھتے تھے مگر اس کو چھپاتے تھے تا کہ لوگ ٹھوکر نہ کھائیں مگر اصل میں اس کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو چکا تھا کہ حضرت زیدؓ حضرت زینب کو طلاق دینا چاہتے ہیں اور آپ ﷺ اس معاملہ کو پوشیدہ رکھ کر حضرت زید کو نصیحت کرتے تھے تا کہ لوگوں کو ٹھوکر نہ لگے کہ ایک شریف خاندان کی لڑکی ایک آزاد غلام سے بیاہ کر رسول کریم ﷺ نے اچھا نہیں کیا بلکہ فتنہ کا دروازہ کھول دیا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ زینب کا نکاح آنحضرت ﷺ سے خدا تعالیٰ نے عرش پر پڑھ دیا تھا اس لئے دنیا میں ان کا نکاح نہیں پڑھا گیا مگر یہ درست نہیں۔ تاریخ میں یہ روایت موجود ہے کہ حضرت زینبؓ کا نکاح آپ سے پڑھا گیا۔ (سیرت الحلبیہ جلد سوم ص 340"۔

(تفسیر صغیر ص 550)

(4) سورۃ فتح کی تیسری آیت میں مفسرین نے لفظ ذنب یعنی گناہ کو سیّد المعصومین حضرت رسول کریم ﷺ سے نسبت دی ہے۔

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے:

"بعض مفسرین نے غلطی سے حضرت زینبؓ کو دیکھ کر نکاح کی خواہش کو نبی کریمؐ کا گناہ صغیرہ قرار دیا اور سورہ فتح وغیرہ جہاں آپ کی مغفرت کا ذکر ہے، یہ سمجھا کہ ان کی معافی ہوگئی۔ یہ سورۃ صلح حدیبیہ کے متعلق ہے اور اس میں کہا گیا ہے کہ فتح سے پہلے ایک اور فتح آنے والی ہے یعنی حدیبیہ کی صلح۔ جس میں عرب کے بہت سے قبیلے رسول کریم ﷺ سے معاہدہ کریں گے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کو چاہیئے اس وقت عفو سے کام لیں اور جو خطائیں عرب پہلے کر چکے ہیں ان کے لئے بھی مغفرت چاہیں اور ان کے لئے بھی جو صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے زمانہ کے درمیان ہونے والی ہیں ورنہ یہ مراد نہیں کہ رسول کریم ﷺ نے کوئی گناہ کیا تھا۔ چنانچہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جہاں بھی ذنب سے مراد آپ کا کیا ہوا گناہ نہیں بلکہ آپ کے متعلق کیا ہوا عرب قبائل یا کفار کا گناہ ہے"۔

(تفسیر صغیر صفحہ 677)

(5) سورۃ الضحیٰ کی آیت نمبر 8 میں نبی کریم ﷺ کی نسبت لفظ ضال استعمال ہوا ہے۔ جس کے معنے گم شدہ راہ کے ہوتے ہیں۔ بعض مفسرین نے انہی معنوں کو ہادیٔ برحقؐ سے نسبت دے دی۔

اس آیت کا صحیح ترجمہ اور تفسیر آنحضرت ﷺ کی شانِ اقدس کا لحاظ رکھتے ہوئے سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے ان الفاظ میں فرمایا ہے:

ترجمہ:" اور جب اس نے تجھے (اپنی قوم کی محبت میں) سرشار دیکھا تو (اُن کی اصلاح کا) صحیح راستہ تجھے بتا دیا"

نیز فرمایا:

"یہاں "ضال" کا لفظ ہے۔ مفسروں نے لکھا ہے کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ تو گمراہ تھا ہم نے تجھے ہدایت دی۔ مگر لغت میں ضلّ کے معنی محبت میں سرشار ہونے کے بھی ہیں (دیکھو مفردات راغب) اور یہی معنی رسول کریم ﷺ کی شان کے مطابق ہیں۔ یعنی اے رسول! تو اپنی قوم کی ہدایت کی خواہش میں سرشار تھا۔ سو ہم نے تجھے وہ راستہ بتا دیا جس سے تو قوم کی اصلاح کر سکے"۔

(تفسیر صغیر صفحہ 830)

سورۃ فاتحہ سے قبولیت دعا کے سات اصول کے انکشاف کا نشان

جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کو سورہ فاتحہ کی تفسیر ایک رؤیا کے ذریعہ

سکھائے جانے کے بعد ہمیشہ اس سورہ کے نئے مضامین کا انکشاف آپ پر کیا جاتا رہا۔ سورہ فاتحہ سے قبولیت دعا کے اصولوں کا استنباط آپ کے علم قرآن سکھانے کی ایک عمدہ مثال ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''سورۃ فاتحہ کی تفسیر لکھتے وقت میرے دل میں خیال گزرا کہ اس موقعہ پر بھی اللہ تعالیٰ کوئی نئے مطالب اس سورۃ کے کھولے تو فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان سات اصول کا انکشاف ہوا جو دعا کے متعلق اس سورۃ میں بیان ہیں۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذَالِکَ۔''

ان سات اصول کا حضورؓ کے الفاظ میں مختصراً ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ آپ نے تحریر فرمایا:

''اوّل بِسْمِ اللّٰهِ میں یہ بتایا گیا ہے کہ جس مقصد کے لئے دعا کی جائے وہ نیک ہو یہ نہیں کہ چور چوری کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو وہ بھی قبول کر لی جائے گی۔ خدا کا نام لیکر اور اسکی استعانت طلب کر کے جو دعا کی جائے گی لازماً ایسے ہی کام کے متعلق ہوگی جس میں اللہ کی ذات بندہ کے ساتھ شریک ہو سکتی ہو۔ بہت لوگوں کو دیکھا ہے۔ لوگوں کی تباہی اور بربادی کی دعائیں کرتے..... اسی طرح ناجائز مطالب کے لئے دعائیں کرتے ہیں اور پھر شکایت کرتے ہیں کہ دعا قبول نہیں ہوئی۔

بعض لوگوں نے جھوٹا جامہ زہد و اتقا کا پہن رکھا ہے اور ناجائز امور کے لئے تعویذ دیتے اور دعائیں کرتے ہیں حالانکہ یہ سب دعائیں اور تعویذ عاملوں کے مُنہ پر مارے جاتے ہیں۔ دوسرا اصل اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میں بتایا ہے یعنی دعا ایسی ہو کہ اس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ کے دوسرے بندوں کا بلکہ سب دنیا کا فائدہ ہو یا کم سے کم ان کا نقصان نہ ہو اور اس کے قبول کرنے سے اللہ تعالیٰ کی حمد ثابت ہوتی ہو اور اس پر کسی قسم کا الزام نہ آتا ہو۔ تیسرے یہ کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت کو جنبش دی گئی ہو اور اس دعا کے قبول کرنے سے اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت ظاہر ہوتی ہو۔ چوتھے یہ کہ اس دعا کا تعلق اللہ تعالےٰ کی صفت رحیمیت سے بھی ہو یعنی وہ نیکی کی ایک ایسی بنیاد ڈالتی ہو جس کا اثر دُنیا پر ایک لمبے عرصہ تک رہے اور جسکی وجہ سے نیک اور شریف لوگ متواتر فوائد حاصل کریں یا کم سے کم ان کے راستہ میں کوئی روک نہ پیدا ہوتی ہو۔ پانچویں یہ کہ دُعا میں اللہ تعالیٰ کی صفت مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ بھی رکھا گیا ہو یعنی دعا کرتے وقت ان ظاہری ذرائع کو نظر انداز نہ کر دیا گیا ہو جو صحیح نتائج پیدا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے تجویز کئے ہیں کیونکہ وہ سامان بھی اللہ تعالیٰ نے ہی بنائے ہیں اور اسکے بتائے ہوئے طریق کو چھوڑ کر اس سے مدد مانگنا ایک غیر معقول بات ہے گویا جہاں تک اسباب ظاہری کا تعلق ہے بشرطیکہ وہ موجود ہوں یا ان کا مہیّا کرنا دُعا کرنے والے کے لئے ممکن ہو ان کا استعمال بھی دُعا کے وقت ضروری ہے ہاں اگر وہ موجود نہ ہوں تو پھر مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ کی صفت اسباب سے بالا ہو کر ظاہر ہوتی ہے ایک اشارہ اس آیت میں یہ بھی کیا گیا ہے کہ دعا کرنے والا دوسروں سے بخشش کا معاملہ کرتا ہو اور اپنے حقوق کے طلب کرنے میں سختی سے کام نہ لیتا ہو۔ چھٹا اصل یہ بتایا ہے کہ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ سے کامل تعلّق ہو اور اس سے کامل اخلاص حاصل ہو اور وہ شرک اور مشرکانہ خیالات سے کلّی طور پر پاک ہو۔ اور ساتویں بات یہ بتائی ہے کہ وہ خدا کا ہی ہو چکا ہو اور اس کا کامل توکل اسے حاصل ہو اور غیر اللہ سے اس کی نظر بالکل ہٹ جائے اور وہ اس مقام پر پہنچ جائے کہ خواہ کچھ ہو جائے اور کوئی بھی تکلیف ہو۔ مانگوں گا تو خدا تعالیٰ ہی سے مانگوں گا۔ یہ سات امور وہ ہیں کہ جب انسان ان پر قائم ہو جائے تو وہ لِعِبَادِی مَا سَأَل کا مصداق ہو جاتا ہے اور حق بات یہ ہے کہ اس قسم کی دعا کا کامل نمونہ رسول کریم صلعم یا آپ ﷺ کی کامل اتباع نے ہی دکھایا ہے اور انہی کے ذریعہ سے دعاؤں کی قبولیت کے ایسے نشان دنیا نے دیکھے ہیں جن سے اندھوں کو آنکھیں اور بہروں کو کان اور گونگوں کو زبان عطا ہوئی ہے مگر اتباع رسول کا مقام بھی کسی کے لئے بند نہیں جو چاہے اس مقام کو حاصل کرنے کے لئے کوشش کر سکتا ہے اور اس مقام کو حاصل کر سکتا ہے۔''

(تفسیر سورۃ بقرہ ص6,5)

قرآن کے تمام مشکل مضامین کا حل ہونا

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے فرشتہ کے ذریعے تفسیر فاتحہ سیکھنے کے رؤیا کی برکات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''یہ رؤیا اصل میں اِس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بیج کے طور پر میرے دل اور دماغ میں قرآنی علوم کا ایک خزانہ رکھ دیا ہے۔ چنانچہ وہ دن گیا اور آج کا دن آیا، کبھی کسی ایک موقع پر بھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے سورہ فاتحہ پر غور کیا ہو یا اُس کے متعلق کوئی مضمون بیان کیا ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نئے سے نئے علوم مجھے عطا نہ فرمائے گئے ہوں۔ خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے قرآن کریم کے تمام مشکل مضامین مجھ پر حل کر دیئے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض ایسی آیات جن کے متعلق حضرت خلیفہ اوّل فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اُن کے متعلق پوری تسلی نہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان آیات کے معانی بھی مجھ پر کھول دیئے گئے ہیں اور اَب قرآن کریم میں کوئی بات ایسی موجود نہیں جس کے مضمون کو مَیں ایسے واضح طور پر نہ بیان کر سکوں کہ دشمن سے دشمن کیلئے بھی اُس پر اعتراض کرنا ناممکن ہو۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ کوئی شخص اپنی شکست تسلیم نہ کرے لیکن یہ ہو نہیں سکتا کہ میں قرآن کریم کے رُو سے دشمن پر حجت تمام نہ کر دوں اور

اُس کے اعتراضات کا ایسا جواب نہ دوں جو عقلی طور پر مُسکِت اور لاجواب ہو۔''

(تفسیر کبیر جلد اوّل ص 6,5)

اس جگہ قرآن کریم کے مشکل مقامات کے حل کے چند نمونے بطور مثال پیش کئے جاتے ہیں۔

حروف مقطعات کی شاندار تحقیق

حروف مقطعات کو مفسرین میں سے بعض نے بے معنی حروف قرار دیا جن کا علم صرف اللہ کو ہے۔ اور بعض نے سرسری تاویلات کیں۔ سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے حروف مقطعات کو قرآنی سورتوں کے مضامین کی کلید قرار دیتے ہوئے جو منفرد، عمدہ اور شاندار تحقیق فرمائی اس کا ماحصل یہاں پیش کیا جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

''اب میں حروف مقطعات کے بارہ میں وہ تحقیق لکھتا ہوں جس کی بنیاد حضرت ابن عباسؓ اور حضرت علیؓ کے کئے ہوئے معنوں پر ہے اور وہ تحقیق یہ ہے۔

حروف مقطعات اپنے اندر بہت سے راز رکھتے ہیں ان میں سے بعض راز بعض ایسے افراد کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں جن کا قرآن کریم سے ایسا گہرا تعلق ہے کہ ان کا ذکر قرآن کریم میں ہونا چاہیئے لیکن اس کے علاوہ یہ الفاظ قرآن کریم کے بعض مضامین کے لئے قفل کا بھی کام دیتے ہیں کوئی پہلے ان کو کھولے تب ان مضامین تک پہنچ سکتا ہے جس جس حد تک ان کے معنوں کو سمجھتا جائے۔ اسی حد تک قرآن کریم کا مطلب کھلتا جائے گا۔

میری تحقیق یہ بتاتی ہے کہ جب حروف مقطعات بدلتے ہیں تو مضمون قرآن جدید ہو جاتا ہے اور جب کسی سورۃ کے پہلے حروف مقطعات استعمال کئے جاتے ہیں تو جس قدر سورتیں اس کے بعد ایسی آتی ہیں۔ جن کے پہلے مقطعات نہیں ہوتے ان میں ایک ہی مضمون ہوتا ہے اسی طرح جن سورتوں میں وہی حروف مقطعات دہرائے جاتے ہیں وہ ساری سورتیں مضمون کے لحاظ سے ایک ہی لڑی میں پروئی ہوئی ہوتی ہیں۔

اس قاعدہ کے مطابق میرے نزدیک سورۂ بقرہ سے لیکر سورۂ توبہ تک ایک ہی مضمون ہے اور یہ سب سورتیں الٓمّٓ سے تعلق رکھتی ہیں۔ سوہ بقرہ الٓمّٓ سے شروع ہوتی ہے پھر سورۃ آل عمران بھی الٓمّٓ سے شروع ہوتی ہے۔ پھر سورۃ نساء، سورۃ مائدہ اور سورۃ انعام حروف مقطعات سے خالی ہیں اور اس طرح گویا پہلی سورتوں کے تابع ہیں جن کی ابتداء الٓمّٓ سے ہوتی ہے ان کے بعد سورہ اعراف المٓصٓ سے شروع ہوتی ہے اس میں بھی وہی الٓمّٓ موجود ہے ہاں حرف ص کی زیادتی ہوئی ہے اس کے بعد سورۃ انفال اور براءۃ حروف مقطعات سے خالی ہیں۔ پس سورۃ براءۃ تک الٓمّٓ کا مضمون چلتا ہے سورۃ اعراف میں جو ص بڑھایا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حرف تصدیق کی طرف لے جاتا ہے۔ سورہ اعراف، انفال اور توبہ میں رسول کریم ﷺ کی کامیابی اور اسلام کی ترقی کا ذکر کیا گیا ہے۔ سورۂ اعراف میں اصولی طور پر اور انفال اور توبہ میں تفصیلی طور پر تصدیق کی بحث ہے اس لئے وہاں ص کو بڑھا دیا گیا ہے۔

سورۂ یونس سے الٓمّٓ کی بجائے الٓرٰ شروع ہوگیا ہے ال تو وہی رہا اور م کو بدل کر'ر' کردیا۔ پس یہاں مضمون بدل گیا۔ اور فرق یہ ہؤا کہ بقرہ سے لیکر توبہ تک تو علمی نقطہ نگاہ سے بحث کی گئی تھی اور سورۂ یونس سے لے کر سورۂ کہف تک واقعات کی بحث کی گئی ہے اور واقعات کے نتائج پر بحث کو مختصر رکھا گیا ہے اس لئے فرمایا کہ الٓرٰ یعنی اَنَا اللّٰہُ اَرٰی میں اللہ ہوں جو سب کچھ دیکھتا ہوں اور تمام دُنیا کی تاریخوں پر نظر رکھتے ہوئے اس کلام کو تمہارے سامنے رکھتا ہوں اور تمام دُنیا کی تاریخوں پر نظر رکھتے ہوئے اس کلام کو تمہارے سامنے رکھتا ہوں۔ غرض ان سورتوں میں رویت کی صفت پر زیادہ بحث کی گئی ہے اور پہلی سورتوں میں علم کی صفت پر زیادہ بحث تھی۔''

سورۃ البقرۃ کی کلید کا عطاء ہونا

سورۃ بقرہ قرآن کی سب سے بڑی سورۃ اور اسلام کے بنیادی احکام و مسائل کے خلاصہ پر مشتمل ہے۔ اس کی تفسیر بھی اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کو القاء فرمائی۔ آپ فرماتے ہیں:

''میں سورۂ فاتحہ میں بیان کر چکا ہوں کہ اس کی تفسیر مجھے ایک فرشتہ نے رؤیا میں سکھائی تھی سورۂ بقرہ کی تفسیر مجھے اس طرح تو حاصل نہیں ہوئی لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک القاء کے طور پر مجھے اس کی تفسیر بھی سکھائی ہے۔ اور جو شخص بھی ذرا غور سے دیکھے گا اسے معلوم ہوگا کہ جو نکتہ اس بارہ میں مجھے بتایا گیا ہے وہ ساری سورہ کو ایک باترتیب مضمون کی صورت میں بدل دیتا ہے اور اس امر کے تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں رہتا کہ یہ تفہیم صرف اور صرف فضل الٰہی سے حاصل ہوئی ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ستائیس سال کا عرصہ گزرا کہ میں چند دوستوں کو قرآن کریم پڑھا رہا تھا۔ سورۂ بقرہ کا درس تھا جب میں اس آیت پر پہنچا کہ

رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِیۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِکَ وَ یُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَةَ وَ یُزَکِّیۡهِمۡ ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ

(بقرہ رکوع 15)

تو یکدم میرے دل پر القاء ہؤا کہ یہ آیت اس سورۃ کے مضامین کی کُنجی ہے اور اس سورۃ

کے مضامین اس آیت کے مطابق اور اسی ترتیب سے بیان ہوئے ہیں میں نے جب اس علم سے فائدہ اُٹھا کر سورہ بقرہ کا مطالعہ کیا تو میری حیرت اور عقیدت کی کوئی حد نہ رہی کیونکہ سورۂ بقرہ کو میں نے نہ صرف اس آیت کے مضامین کے مطابق پایا بلکہ اس کے مضامین باوجود مختلف قسم کے ہونے کے میرے ذہن میں ایسے مستحضر ہو گئے کہ مجھے یُوں معلوم ہوا کہ گویا اس کے مضامین موتیوں کی لڑی کی طرح پروئے ہوئے ہیں۔

اس آیت کو دیکھنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اس میں حضرت ابراہیمؑ کی ایک دُعا کا ذکر ہے جو انہوں نے مکّہ میں ایک نبی کے مبعوث ہونے کے لئے کی ہے اور اس دُعا کا مضمون یہ ہے کہ اس شہر اور اس قوم میں ایک ایسا نبی مبعوث ہو

(1) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایمان اور یقین کو درست اور مضبوط کرنے والے اور اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے والے دلائل لوگوں کے سامنے بیان کرے جو دُنیا کو خدا تعالیٰ تک پہنچانے کے لئے راستہ کے نشان اور شمع ہدایت ثابت ہوں

(2) وہ لوگوں کے سامنے ایک مکمل کتاب پیش کرے

(3) جو شریعت وہ دُنیا کے سامنے پیش کرے اس کے اندر احکام اور مذہب کی اور ان تمام دینی امور کی جن پر مذہب کی ترقی کا مدار ہے حکمت بھی بیان کی گئی ہو

(4) وہ ایسے ذرائع اختیار کرے اور ایسے طریق بتائے جن سے قوم کی ترقی اور پاکیزگی کے سامان پیدا ہوں۔

ان مضامین کو سامنے رکھ کر جب میں نے سورۂ بقرہ کو دیکھا تو اس کے مضامین کو لفظاً لفظاً ان مضامین کے مطابق پایا بلکہ میں نے دیکھا کہ وہ مضامین بیان بھی اسی ترتیب سے ہوئے ہیں جس ترتیب سے ان کا اس آیت میں ذکر ہے اور ہر حصّہ میں اس آیت کے الفاظ کی طرف اشارہ بھی کر دیا گیا ہے یعنی آیات کے مضمون میں آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے پھر کتاب اور حکمت کا مضمون بیان کیا ہے اور کتاب اور حکمت کے الفاظ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ پھر تزکیہ کا مضمون بیان کیا ہے تو اس مضمون کی طرف اشارہ کیا گیا ہے چنانچہ مضامین کے لحاظ سے یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ کا مضمون بیس رکوع تک بیان ہوا ہے اور کتاب اور حکمت کا مضمون اکتیس رکوع تک بیان ہوا ہے۔ اور پھر تزکیہ کا مضمون اکتیسویں رکوع سے شروع ہو کر آخر سورۃ پر یعنی چالیسویں رکوع پر ختم ہوا ہے جو شخص اس امر کو مدّنظر رکھ کر سورۂ بقرہ کو پڑھے گا اس کے مطالب کی وسعت اور جامعیت اور ترتیب کی خوبی اور تاثیر کا حیرت انگیز مطالعہ کرے گا۔

اس جگہ سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی چند مشکل مقامات کی نادر اور لطیف تفسیر کی بعض مثالیں پیش کرنی مناسب ہونگی۔

ھاروت ماروت کے مشکل مسئلہ کا خوبصورت حل

سورۃ بقرہ کی آیت 103 میں ھاروت ماروت کا ذکر آیا ہے۔ کتب تفسیر میں ان کا قصہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ دو فرشتے تھے۔ جنہوں نے انسانوں پر اعتراض کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے دو بہترین نمائندے بطور امتحان زمین پر بھجوائے اور فرمایا کہ تم بھی زمین پر جا کر انسانی قویٰ پا کر یہی کچھ کرو گے۔ یہ فرشتے لوگوں کے فیصلے بھی کیا کرتے تھے۔ ایران کی ملکہ زہرہ اپنے خاوند کا جھگڑا لے کر آئی تو اس پر عاشق ہوئے۔ اور اس سے اپنی خواہش پوری کرنی چاہی۔ وہ خاوند کے قتل اور شراب پینے کی شرط پر راضی ہوئی۔ بدکاری کے بعد وہ عورت تو زہرہ ستارہ بن گئی اور ہاروت و ماروت بابل میں آگ کے گہرے کنوئیں میں آج تک الٹے لٹکے سزا بھگت رہے ہیں۔

(تفسیر مظہری جلد اوّل ص 108)

''اس آیت کے بارہ میں مفسرین کو بہت دقتیں پیش آئیں اور مذکورہ بالا تفسیر کے ساتھ وہ آیت کے یہ معنے کرنے پر مجبور ہوئے کہ دنیا میں دو دفعہ سحر سیکھا گیا۔ ایک حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں دوسرے بابل میں ہاروت و ماروت فرشتوں کے نزول کے وقت۔ اس معنی اور تفسیر سے فرشتوں پر خود اللہ تعالیٰ کی ذات اور انبیاء پر جو اعتراض پیدا ہوتے ہیں وہ ظاہر ہیں۔ اس آیت کے بارہ میں سیدنا حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت جو ہمیشہ لوگوں کے لئے اضطراب کا موجب رہی ہے مجھ پر ابتدائی زمانہ میں کھول دی تھی''

اس آیت کی مکمل تفسیر کا لطف تو تفسیر کبیر کے مطالعہ سے ہی اہل ذوق اٹھا سکتے ہیں کیونکہ اس جگہ اختصار پیش نظر ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ نے فرشتوں اور حضرت سلیمانؑ کے جادو سکھانے کی تفسیر کو اس لئے رَدّ فرمایا ہے۔ اس سے انبیاء اور ملائکہ دونوں پر اعتراض پڑتا ہے۔ خصوصاً جبکہ یہ بات تاریخ کے بھی خلاف ہے۔ نیز اگر مفسرین کے قصے درست ہوں تو اس آیت کا جوڑ پچھلی آیات سے کوئی نہیں بنتا اور اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے حکیمانہ کلام پر بھی اعتراض آتا ہے۔ اور آیت کا کوئی مقصد واضح نہیں ہوتا۔ حضور فرماتے ہیں "لیکن میرے اس مضمون سے جو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کھولا ہے۔ اس کا جوڑ پچھلی آیات سے قائم رہتا ہے.... ملائکہ پر بھی کوئی اعتراض نہیں پڑتا۔ اور یہ آیت رسول اللہ کی صداقت کا ایک بڑا ثبوت بن جاتی ہے"۔ حضور کی بیان فرمودہ تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں رسول کریمؐ کے زمانہ کے یہود کی بعض خفیہ سازشوں کا ذکر ہے جو وہ فری میسن سوسائیٹیاں بنا کر کیا کرتے تھے۔ جیسے نبی کریمؐ کے زمانہ میں یہودیوں نے آپ کے خلاف کسریٰ شاہ ایران کو بھڑکا کر آپ کی گرفتاری کے وارنٹ جاری کروائے تھے۔

یہود کا یہ وہی پرانا طریق تھا جو حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں ان کی حکومت کے حاجب یربعام کو ساتھ ملا کر یہود نے حکومت سلیمان کے خلاف بغاوت کروائی تھی۔ یربعام

حکومت سنبھالتے ہی بتوں کے مندر بنوا کر شرک میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اور بنی اسرائیل اپنی اس سازش کے نتیجہ میں ذلیل، کمزور اور متفرق ہو کر بابل سے جلاوطن کئے گئے۔ ریبعام کو بھاگ کر مصر جانا پڑا۔ مگر انہی یہودیوں نے جب خدا کے دونبیوں حجیؑ اور زکریا (جن کے صفاتی نام ھاروت ماروت ہیں) کے ماتحت اللہ کے حکم کے مطابق آزادی کے حصول کے لئے مخفی طور پر کام کیا اور اندرونی طور پر مدد کرنے کا بادشاہ خورس سے مخفی سمجھوتہ کیا تو بابل فتح ہو گیا۔ یہود کے دشمن تباہ ہوئے اور وہ جلاوطنی سے واپس اپنے وطن واپس آ گئے۔

دراصل اس آیت میں دو بظاہر مشابہ مثالیں بیان کیں جن کے نتائج مختلف تھے اور بتایا گیا کہ نبی کریم ؐ کے عہد کے یہودی آپ کی مخالفت میں حضرت سلیمانؑ کے دشمن یہود کی طرح کی مخفی تدبیریں کر رہے ہیں۔ اس لئے ان کا انجام بھی وہی ہوگا جو ان یہود کا ہوا تھا۔ یعنی جلاوطن ہوں گے۔ چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ مدینہ کے یہود کا یہی انجام ہوا۔

(بحوالہ از تفسیر کبیر جلد دوم ص 67 تا 87)

استعارہ کی حقیقت

یہود کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کے بعد سورۃ البقرہ آیت 66 میں ان کی اس سزا کا ذکر ہے کہ ’’ہم نے انہیں کہا ذلیل بندر ہو جاؤ۔‘‘ مفسرین نے اس سے مراد ظاہری مسخ لیا ہے کہ وہ لوگ واقعی بندر کی شکل ہو گئے اور مختلف روایات کے مطابق ساٹھ دن تک زندہ رہے پھر مر گئے۔

(روح المعانی جزاوّل ص 283)

مولوی مودودی صاحب لکھتے ہیں:

’’بعض اس سے مراد لیتے ہیں کہ ان میں بندروں کی سی صفات پیدا ہو گئی تھیں۔ لیکن قرآن کے الفاظ اور انداز بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسخ اخلاقی نہیں بلکہ جسمانی تھا۔‘‘

(تفہیم القرآن جلد اوّل ص 84)

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں ’’اس آیت کے معنے کرنے میں بعض مفسرین نے دھوکا کھایا ہے اور۔۔۔ یہ سمجھا ہے کہ اس آیت میں۔۔۔ نافرمانی کرنے والی قوم کے بندر بن جانے کی خبر دی گئی ہے حالانکہ یہ بات درست نہیں کیونکہ قرآنی کریم میں یہ واقعہ اس جگہ کے علاوہ دو اور جگہ (مائدہ: 61، اعراف: 165 میں بھی) بیان کیا گیا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ درحقیقت بندر نہ بنے تھے بلکہ بندر کا لفظ تشبیہہ اور مثال کے لئے آیا ہے۔ پھر آپ نے بندر سے تشبیہہ کی وضاحت یہ فرمائی کہ ان کے اخلاق بندروں جیسے ہو گئے۔ یعنی بندروں کی طرح ذلیل دوسروں کے ہاتھ پر ناچنے والے، نقالی کرنیوالے اور بدکاری کرنیوالے ہو گئے۔‘‘

(بحوالہ تفسیر کبیر جلد 1، ص 49)

محکمات و متشابہات

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ مشکل سے مشکل مضمون نہایت آسان پیرائے میں بیان فرمایا کرتے تھے۔ فضائل القرآن کے موضوع پر آپ 1928 سے 1938 کے جلسہ سالانہ پر معرکۃ الآراء تقاریر فرمائیں۔ ان میں آپ نے دیگر علوم و معارف کے دریا بہانے کے علاوہ محکمات و متشابہات اور استعارہ کے مشکل مسئلہ کو خوب حل کر دکھایا۔ آپ نے سورہ آل عمران کی آیت 8 پر بنا کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ قرآن کی کچھ آیات کو محکمات کہا ہے جن کے مضامین محکم ہیں ان میں استعارہ استعمال نہیں ہوا۔ مگر کچھ آیتیں متشابہات کہلاتی ہیں جن میں استعارے استعمال ہوئے ہیں۔ یعنی الفاظ میں تشابہ ہے۔ وہ لوگ جو کچھ کجی چاہتے ہیں وہ استعاروں والی آیات کو لے کر بیٹھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں یہی حقیقت ہے اگر یہود کے متعلق کہا گیا کہ خدا نے انہیں بندر بنا دیا تو کہتے ہیں کہ واقعہ میں انسانی شکل مسخ کر کے انہیں بندر بنا دیا گیا تھا۔ جو سمجھنے والے ہیں وہ کہتے ہیں کہ وہ آیت بھی خدا کی طرف سے ہے۔ جو استعارے والی ہے اور وہ بات بھی اس کی طرف سے ہے جو اسے حل کرنے والی ہے اور ناممکن ہے کہ ان دونوں میں اختلاف ہو...... جب تم استعارہ کو حقیقت قرار دو گے تو قرآن کریم کی بعض آیات جھوٹی ہو جاتی ہیں۔

..........ایک موٹی مثال احیاء موتی کی ہے۔ قرآن کریم میں آتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ مردے زندہ کیا کرتے تھے۔ دوسری طرف قرآن میں بھی لکھا کہ مردے کی روح اس جہان میں واپس نہیں آتی۔ اب اگر ہم مردوں کو زندہ کرنے سے حقیقی مردوں کا احیاء مراد لیں تو ان میں سے ایک آیت کو نعوذ باللہ جھوٹا ماننا پڑے گا۔ لیکن اگر مردوں سے روحانی مردے مراد لیں تو دونوں آیتیں سچی ہو جاتی ہیں۔ رسول کریمؐ نے فرمایا۔ کہ تم سے پہلی قومیں اسی اختلاف کی وجہ سے ہلاک ہوئی ہیں حالانکہ خدا تعالیٰ کی کتاب اس لئے اتری ہے کہ اس کی ہر آیت دوسری آیت کی تصدیق کرے۔ پس جو آیت دوسری آیت کی تصدیق نہ کرے اس کے معنے بدلنے چاہئیں۔ اور دونوں آیات کے مضمون میں مطابقت پیدا کرنی چاہیئے۔ یہ اصول سامنے رکھتے ہوئے آپ نے پہاڑوں اور

پرندوں کی تسبیح ،جنّات، وادی نمل، خلق طیر کی لطیف تفسیر بیان کی ہے۔

(فضائل القرآن بحوالہ انوار العلوم جلد 14، ص371)

علم قرآن میں مقابلہ کا چیلنج

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے علم قرآن کے بارہ میں بارہا ایک چیلنج اپنی زندگی میں شائع کروایا جو آج تک لا جواب ہے۔ وہ چیلنج یہ ہے:

''غیر احمدی علماء مل کر قرآن کریم کے وہ معارفِ روحانیہ بیان کریں جو پہلے کسی کتاب میں نہیں ملتے اور جن کے بغیر روحانی تکمیل ناممکن تھی۔ پھر میں ان کے مقابلہ پر کم سے کم دگنے معارفِ قرآنیہ بیان کروں گا جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لکھے ہیں اور ان مولویوں کو تو کیا سوجھنے تھے پہلے مفسرین و مصنفین نے بھی نہیں لکھے۔ اگر میں کم سے کم دگنے ایسے معارف نہ لکھ سکوں تو بے شک مولوی صاحبان اعتراض کریں۔ طریق فیصلہ یہ ہوگا کہ مولوی صاحبان معارفِ قرآنیہ کی ایک کتاب ایک سال تک لکھ کر شائع کر دیں اور اس کے بعد میں اس پر جرح کروں گا جس کے لئے مجھے چھ ماہ کی مدت ملے گی۔ اس مدت میں جس قدر باتیں ان کی میرے نزدیک پہلی کتب میں پائی جاتی ہیں ان کو میں پیش کروں گا۔ اگر ثالث فیصلہ کر دیں کہ وہ باتیں واقعہ میں پہلی کتب میں پائی جاتی ہیں تو اُس حصہ کو کاٹ کر صرف وہ حصہ ان کی کتاب کا تسلیم کیا جائے گا جس میں ایسے معارفِ قرآنیہ بیان ہوں جو پہلی کتب میں نہیں پائے جاتے۔ اِس کے بعد چھ ماہ کے عرصہ میں ایسے معارف قرآنیہ حضرت مسیح موعود کی کتب سے یا آپ کے مقرر کردہ اصول کی بناء پر لکھوں گا جو پہلے کسی مصنف اسلامی نے نہیں لکھے اور مولوی صاحبان کو چھ ماہ کی مدت دی جائے گی کہ وہ اس پر جرح کریں اور جس قدر حصہ ان کی جرح کا مصنف تسلیم کریں اس کو کاٹ کر باقی کتاب کا مقابلہ ان کی کتاب سے کیا جائے گا اور دیکھا جائے گا کہ میرے بیان کردہ معارف قرآنیہ جو حضرت مسیح موعود کی تحریرات سے لئے گئے ہوں گے اور جو پہلی کسی کتاب میں موجود ہوں گے، اِن علماء کے معارفِ قرآنیہ سے کم از کم دگنے ہیں یا نہیں جو انہوں نے قرآن کریم سے ماخوذ کئے ہوں اور وہ پہلی کسی کتاب میں موجود نہ ہوں۔ اگر میں ایسے دُگنے معارف دکھانے سے قاصر رہوں تو مولوی صاحبان جو چاہیں کہیں لیکن اگر مولوی صاحبان اس مقابلہ سے گریز کریں یا شکست کھائیں تو دنیا کو معلوم ہو جائے گا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دعویٰ منجانب اللہ تھا۔ یہ ضروری ہوگا کہ ہر فریق اپنی کتاب کی اشاعت کے معاً بعد اپنی کتاب دوسرے فریق کو رجسٹری کے ذریعہ سے بھیج دے۔ مولوی صاحبان کو میں اجازت دیتا ہوں کہ وہ دگنی چوگنی قیمت کا، وی پی میرے نام کر دیں۔ اگر مولوی صاحبان اس طریق فیصلہ کو ناپسند کریں اور اس سے گریز کریں تو دوسرا طریق یہ ہے کہ میں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ادنیٰ خادم ہوں میرے مقابلہ پر مولوی صاحبان آئیں اور قرآن کریم کے تین رکوع کسی جگہ سے قرع ڈال کر انتخاب کر لیں اور وہ تین دن تک اُس ٹکڑے کی ایسی تفسیر لکھیں جس میں چند ایسے نکات ضرور ہوں جو پہلی کتب میں موجود نہ ہوں اور میں بھی اُسی ٹکڑے کی اسی عرصہ میں تفسیر لکھوں گا اور حضرت مسیح موعود کی تعلیم کی روشنی میں اُس کی تشریح بیان کروں گا اور کم سے کم چند ایسے معارف بیان کروں گا جو اس سے پہلے کسی مفسر یا مصنف نے نہ لکھے ہوں گے اور پھر دنیا خود دیکھ لے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرآن کی کیا خدمت کی ہے اور مولوی صاحبان کو قرآن کریم اور اُس کے نازل کرنے والے سے کیا تعلق اور کیا رشتہ ہے۔''

(الموعود بحوالہ انوار العلوم جلد17، ص572،573)

اس طرح آپ نے فرمایا:

''میں ساری دنیا کو چیلنج کرتا ہوں کہ اگر اس دنیا کے پردہ پر کوئی شخص ایسا ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہو کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اُسے قرآن سکھایا گیا ہے تو میں ہر وقت اس سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن میں جانتا ہوں آج دنیا کے پردہ پر سوائے میرے اور کوئی شخص نہیں جسے خدا کی طرف سے قرآن کریم کا علم عطا فرمایا گیا ہو۔ خدا نے مجھے علم قرآن بخشا ہے اور اِس زمانہ میں اُس نے قرآن سکھانے کے لئے مجھے دنیا میں استاد مقرر کیا ہے۔''

(الموعود بحوالہ انوار العلوم جلد 17، ص647)

غیروں کا اعتراف

یہ چیلنج آج تک کسی عالم دین کو قبول کرنے کی توفیق نہ ہوئی۔ بلکہ اس چیلنج کا جواب تو در کنار الٹا مخالف وموافق محققین نے حضرت مصلح موعودؓ کے علم قرآن کو تسلیم کیا۔ چنانچہ:

(1)۔ مولوی ظفر علی خان صاحب ایڈیٹر اخبار زمیندار نے احراریوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

احرار یو! کان کھول کر سن لو۔ تم اور تمہارے لگے بندھے مرزا محمود کا مقابلہ قیامت تک نہیں کر سکتے۔ مرزا محمود کے پاس قرآن ہے اور قرآن کا علم ہے تمہارے پاس کیا خاک دھرا ہے۔ تم میں سے کوئی ہے جو قرآن کے سادہ حرف بھی پڑھ سکے۔ تم نے کبھی خواب میں بھی قرآن نہیں پڑھا تم خود کچھ نہیں جانتے۔ تم لوگوں کو کیا بتاؤ گے۔ مرزا محمود کی

مخالفت تمہارے فرشتے بھی نہیں کر سکتے۔ میں حق بات کہنے سے باز نہیں آسکتا۔

(ایک خوفناک سازش مصنفه مظهر علی اظهر ص 196)

(2)۔(سیدنا جعفر حسین صاحب بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی۔حیدرآباد دکن حضرت مصلح موعود کی رقم فرمودہ تفسیر کبیر کے مطالعہ کی رُوداد یوں بیان کرتے ہیں:

''میں نے تفسیر کبیر کا مطالعہ شروع کیا۔تو مجھے اس تفسیر میں زندگی سے معمور اسلام نظر آیا۔اس میں وہ سب کچھ تھا جس کی مجھ کو تلاش تھی۔تفسیر کبیر پڑھ کر میں اسلام سے پہلی دفعہ روشناس ہوا۔''

(الفضل 23جون 1962ء)

(3)۔ہندوستان کے ایک مشہور اہل قلم اور محقق ادیب نیاز فتح پوری جو دقیق النظر بھی ہیں۔تفسیر کبیر سورۃ یونس کے مطالعہ کے بعد اپنی رائے لکھتے ہیں:

''تفسیر کبیر جلد سوم آج کل میرے سامنے ہے اور میں اسے نگاہ غائر سے دیکھ رہا ہوں۔اس میں شک نہیں کہ مطالعہ قرآن کا ایک بالکل نیا زاویہ فکر آپ نے پیدا کیا ہے۔اور یہ تفسیر اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل پہلی تفسیر ہے۔جس میں عقل ونقل کو بڑے حسن سے ہم آہنگ دکھایا گیا ہے۔آپ کی تبحر علمی آپ کی وسعت نظر آپ کی غیر معمولی فکر وفراست آپ کا حسن استدلال اس کے ایک ایک لفظ سے نمایاں ہے اور مجھے افسوس ہے کہ میں کیوں اس وقت تک اس سے بے خبر رہا۔کاش کہ میں اس کی تمام جلدیں دیکھ سکتا۔کل سورۂ ہود کی تفسیر میں حضرت لوطؑ پر آپ کے خیالات معلوم کر کے جی پھڑک گیا۔اور بے اختیار یہ خط لکھنے پر مجبور ہو گیا۔آپ نے ھٰؤُلَاءِ بَنَاتِیْ کی تفسیر کرتے ہوئے عام مفسرین سے جدا بحث کا جو پہلو اختیار کیا ہے اس کی داد دینا میرے امکان میں نہیں۔خدا آپ کو تادیر سلامت رکھے۔''

(مکتوب نیاز فتح پوری بنام حضرت خلیفة المسیح الثانی59-10-05)

(4)۔''صدق جدید'' کے مدیر شہیر مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی نے حضرت مصلح موعودؓ کے وصال پر تحریر فرمایا:۔

''قرآن وعلوم قرآن کی عالمگیر اشاعت اور اسلام کی آفاق گیر تبلیغ میں جو کوششیں انہوں نے سرگرمی اور اولوالعزمی سے اپنی طویل عمر میں جاری رکھیں ان کا اللہ انہیں صلہ دے۔علمی حیثیت سے قرآنی حقائق ومعارف کی جو تشریح، تبیین وترجمانی وہ کر گئے ہیں اس کا بھی ایک بلند وممتاز مرتبہ ہے''۔

(صدق جدید18نومبر1965ء)

اشاعت علم قرآن کی تڑپ۔آخری خواہش!

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کو قرآن سے جو گہری محبت تھی اس کا ایک اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ 1955ء میں قاتلانہ حملہ کے بعد جب حضور کی علالت انتہائی تشویشناک صورت اختیار کر گئی اور بغرض علاج آپ کو یورپ تشریف لے جانا پڑا۔اس موقع پر حضور نے احباب جماعت کے نام ایک خصوصی پیغام میں تحریر فرمایا کہ:

''میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اے خدا! ابھی دنیا تک تیرا قرآن صحیح طور پر نہیں پہنچا اور قرآن کے بغیر نہ اسلام ہے نہ مسلمان کی زندگی۔تو مجھے پھر سے توفیق بخش کہ میں قرآن کے بقیہ حصّہ کی تفسیر کر جاؤں اور دنیا پھر ایک لمبے عرصے کے لئے قرآن شریف سے واقف ہو جائے اور اس پر عامل ہو جائے اور اس کی عاشق ہو جائے''۔

(الفضل 10اپریل 1955ء ص1)

اللہ تعالیٰ ہمیں اس عظیم خلیفہ کی یہ خواہش پوری کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

اعلانِ وفات

ہماری والدہ محترمہ اقبال بیگم صاحبہ اہلیہ مکرم مولانا تاج الدین لائلپوری صاحب سابق ناظم دارالقضاء مورخہ 26نومبر 2010بقضائے الٰہی ربوہ میں وفات پا گئیں۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

محترم صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب امیر مقامی وناظر اعلیٰ نے مورخہ 26نومبر کو مسجد مبارک میں نماز جمعہ کے بعد مرحومہ کی نماز جنازہ پڑھائی اور بہشتی مقبرہ نصیر آباد میں تدفین کے بعد مکرم مولانا مظہر اقبال صاحب ناظم وقف جدید نے دعا کروائی۔

محترمہ والدہ صاحبہ کی وفات پر بہت سے عزیز اور دوست ہمارے گھر تشریف لائے۔نیز بذریعہ فون اور ای میل بھی بہت سے احباب کے تعزیتی پیغام موصول ہوئے۔ہم سب بہن بھائی ان احباب کے تہہ دل سے مشکور ہیں۔اللہ تعالیٰ انہیں اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

احبابِ جماعت سے درخواستِ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ محترمہ والدہ صاحبہ کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کی اولاد کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنے فضلوں سے نوازے، آمین۔

چودھری منور احمد نعیم

صدر جماعت احمدیہ میامی، امریکہ

قائداعظم اور احمدی

جمیل احمد بٹ

قائداعظم ایک سچے، دیانتدار، محنتی، قانون پسند اور مخلص انسان تھے۔ انہوں نے مسلمانان ہند کی کامیاب قیادت کی اور آئینی طریق پر ان کے لئے ایک آزاد اور اس وقت مسلمانوں کے سب سے بڑے ملک کا قیام ممکن بنایا۔ اس جدو جہد میں مسلمان عوام ان کے ساتھ تھے۔ گو ہندوستان کی بیشتر مسلم تنظیمیں اور گروپ از قسم علمائے دیوبند، جمعیت علمائے ہند، جماعت اسلامی، مجلس احرار، خاکسار تحریک ان کے بھرپور مخالف رہے۔ صرف جماعت احمدیہ وہ واحد منظم جماعت تھی جو اس تحریک میں شامل اور دامے، درمے، سخنے تحریک پاکستان کی مددگار رہی اسی لئے قائداعظم اور احمدیوں کے مابین ہمیشہ خوشگوار تعلقات رہے۔ ایسے چند روابط تاریخی تسلسل کے ساتھ درج ذیل ہیں۔

قائداعظم کے بارے میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا شروع سے حسن ظن

i-14 نومبر 1923 کو بریڈلا ہال لاہور میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے ایک بڑے مجمع میں ایک تقریر میں حضرت خلیفۃ المسیح نے مسلمانوں کی مسٹر جناح اور راجہ صاحب محمود آباد سے بے التفاتی پر سخت اظہار افسوس کرتے ہوئے فرمایا تھا:

'ایک زمانہ تھا جب مسلمان ان کی بہت قدر کرتے اور ان کو اپنا لیڈر سمجھتے تھے مگر اب یہ حالت ہے کہ ان کو بالکل چھوڑ دیا گیا ہے......اسی طرح مسلمان نقصان اُٹھا رہے ہیں۔'

(بحوالہ انوارلعلوم جلد 7 صفحہ 316-317)

ii. 1927ء میں ڈاکٹر سیف الدین کچلو صاحب نے مسلمانوں کی تنظیم کے لئے ایک مسلم پارٹیز کانفرنس کے انعقاد کا ارادہ کیا اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے رہنمائی چاہی۔ آپ نے فرمایا 'میں آپ سے اس پر بالکل متفق ہوں کہ ایک عام تحریک سے پہلے چند آدمیوں کامل کر اصول پر غور کرنا ازبس مفید ہوگا' تاہم ڈاکٹر کچلو صاحب نے اس غرض سے جو پانچ نام تجویز کئے تھے آپ نے ان میں پانچ مزید شخصیات کی شمولیت تجویز کی اور فرمایا کہ 'یہ بھی اگر ابتدائی مشورہ میں شریک ہوں تو مفید ہوگا'۔ ان پانچ افراد میں حضرت صاحب نے مسٹر جناح کا نام بھی شامل فرمایا۔

(اخبار الفضل 12 اگست 1927 بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 4 صفحہ 624-625)

جماعت احمدیہ کے دوسرے خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے قائداعظم سے اولین ذاتی رابطے

جماعت احمدیہ کے دوسرے خلیفہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب بعض اہم معاملات پر ہندوستان کے مشہور سیاسی زعماء سے تبادلہ خیالات کے لئے اگست، ستمبر 1927 میں شملہ میں مقیم رہے۔ اسی دوران آپ کا قائداعظم سے جو اس وقت اپنے نام سے پہچانے جاتے تھے درج ذیل ذاتی رابطے اور ملاقاتیں ہوئیں۔

i- ناموس پیشوایان مذاہب کے تحفظ کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح نے جو مسودہ قانون تجویز کیا تھا اس پر گفتگو کے لئے جو مشہور لیڈر گاہے بگاہے آپ کی فرودگاہ پر تشریف لائے اور گھنٹوں بیٹھ کر تبادلہ خیالات کیا ان میں محمد علی جناح بھی تھے

(تاریخ احمدیت جلد 4 از مولانا دوست محمد شاھد صاحب صفحہ 612)

ii-اس دوران شملہ میں ہندو مسلم اتحاد کانفرنس ہوئی جس کے شریک لیڈروں میں حضرت خلیفۃ المسیح اور جناب محمد علی جناح بھی شامل تھے اور ہر دو کانفرنس کے تینوں اجلاسوں میں شریک ہوئے۔ پہلے دو اجلاسوں میں حضرت صاحب نے خطاب فرمایا جبکہ تیسرا اجلاس قائداعظم کی صدارت میں ہوا۔

iii-شملہ کانفرنس کا آخری اجلاس قائداعظم کی صدارت میں ہوا اور اس میں حضرت خلیفۃ المسیح نے جداگانہ انتخاب کے حق میں تقریر فرمائی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اور قائداعظم کی پہلی ملاقات

شملہ ہی میں حضرت خلیفۃ المسیح کی قائداعظم کے ساتھ ایک One to One ملاقات ہوئی، اس کی چشم دید روایت ایک بزرگ کی زبانی یوں ہے۔

''یہ موسم گرما 1927 کا واقعہ ہے ستمبر کا مہینہ تھا تمام صوبوں کے لیڈر شملہ میں اکٹھے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح کی رائے جداگانہ انتخاب کے حق میں تھی....قائد اعظم اس وقت مشترکہ انتخاب کے حق میں تھے....آپ (حضرت خلیفۃ المسیح) نے ان دنوں انتہائی کوشش کی کہ مسلمان مشترکہ انتخاب کے سراب نما خوشکن نظریہ فریب میں نہ آجائیں چنانچہ آپ نے مختلف صوبوں کے لیڈروں کو ایک ایک کرکے اپنے ہاں مدعو کیا ہر ایک کے ساتھ فرداً فرداً تبادلہ خیال کر کے ان پر اپنا نقطہ نگاہ واضح کیا......مرحوم قائد اعظم اس وقت کانگریس کے ممبر اور مسٹر محمد علی جناح کہلاتے تھے آپ کو بھی کنگز لے (شملہ میں آپ کی رہائش گاہ) میں دعوت چائے دی گئی تھی میں اس وقت اس دعوت میں موجود تھا۔ آپ نے تبادلہ خیال کے آخر میں فرمایا۔ مرزا صاحب! میں نہیں مان سکتا کہ نصب العین ہمارا یہ ہو کہ ہندوستانی قوم بلند مقام تک جا پہنچے اور اس کا ذریعہ جداگانہ انتخاب ہو؟''

(ہماری ہجرت اور قیام پاکستان از حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب صفحہ 15-16-دار التجلید لاہور)

گویا لآخر قائد اعظم نے اپنی رائے بدل لی اور جداگانہ انتخاب کے حامی ہو گئے۔

حضرت خلیفۃ المسیح کے قائد اعظم کے بارے میں تعریفی ارشاد

i-حضرت خلیفۃ المسیح نے 11 ستمبر 1927 کو شملہ میں الفنسٹن ہال میں نواب سر ذوالفقار علی خاں کی صدارت میں ایک لیکچر دیا جس میں منجملہ یہ بھی فرمایا:

''جناح صاحب اس وقت سے مسلمانوں کی خدمت کرتے آئے ہیں کہ محمد علی (جوہر) صاحب ابھی میدان میں نہ آئے تھے۔۔۔میں انکی خدمات کے باعث ان کو قابل عزت اور قابل ادب سمجھتا ہوں۔''

(لیکچر شملہ بحوالہ انوار العلوم جلد 10 صفحہ 18)

ii-حضرت خلیفۃ المسیح نے اپنے ایک مضمون رقم فرمودہ 8 دسمبر 1927ء میں فرمایا:

''مسٹر جناح اور مولانا محمد علی سے پچھلے دنوں شملہ میں مجھے شناسائی ہو چکی ہے اور یونیٹی کانفرنس اور قانون حفاظت مذاہب کے متعلق گھنٹوں ان کے ساتھ مل کر کام کرنے کا موقع ملا ہے میں مسٹر جناح کو ایک بہت زیرک، قابل اور مخلص خادمِ قوم سمجھتا ہوں اور ان سے مل کر مجھے بہت خوشی ہوئی میرے نزدیک وہ ان چند لوگوں میں سے ہیں جنہیں اپنے ذاتی عروج کا اس قدر خیال نہیں جس قدر کہ قومی ترقی کا ہے۔''

(ٹریکٹ مسلمانانِ ہند کے امتحان کا وقت بحوالہ انوار العلوم جلد 10 صفحہ 45)

قائد اعظم کی احمدیوں کے بارے میں اچھی رائے

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اپنی تقریر فرمودہ 27 دسمبر 1927 میں بیان فرمایا:

''مسز (سروجنی) نائیڈو جو بہت مشہور عورت لیڈر ہیں انہوں نے ذکر کیا میں ایک موقع پر مسٹر محمد علی جناح سے ملی تو انہوں نے کہا احمدی جماعت میں کام کرنے کی عجب روح ہے اسمبلی میں مسودہ پیش ہوتا ہے مگر اس کے متعلق بہت سے اسمبلی کے ممبران کو اتنی فکر نہیں جتنی ان لوگوں کو ہے ان کے آدمی نہ رات دیکھتے ہیں نہ دن ہر وقت ہمارے پاس پہنچ جاتے اور اپنا مشورہ پیش کرتے ہیں۔''

اس واقعہ کی وضاحت میں حضرت خلیفۃ المسیح نے فرمایا:

'بات یہ ہے کہ جب مجھے مسودہ ملا تو میں نے راتوں رات آدمیوں کو اسمبلی کے بعض ممبروں کے پاس بھیجا کہ جا کر انہیں اس کے متعلق ضروری باتیں بتاؤ۔'

(تقریر دل پذیر بحوالہ انوار العلوم جلد 10 صفحہ 77)

یہ مسودہ ناموس پیشوایان مذہب کے تحفظ کا تھا۔

جناح لیگ اور شفیع لیگ میں الحاق کی کامیاب جماعتی کوشش

سائمن کمیشن کے بائیکاٹ کے مسئلہ پر مسلم لیگ دو حصوں میں بٹ گئی تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح کی نگاہ میں جناب محمد علی جناح صاحب کی سیاسی خدمات کی بہت قدر و منزلت تھی اس لئے آپ دل سے چاہتے تھے کہ سر شفیع اور جناح میں مفاہمت ہو جائے۔

چنانچہ آپ نے جناب محمد علی جناح اور شفیع لیگ کے سیکریٹری ڈاکٹر سر محمد اقبال دونوں کو خطوط لکھے جن کا ذکر ہر دو اصحاب نے بعض مجالس میں کیا اور مصالحت کی امید پیدا ہو گئی۔ مارچ 1929 میں جناب محمد علی جناح اور سر محمد شفیع کی ملاقات ہوئی جس میں جماعت احمدیہ کے ناظر امور خارجہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب بھی شریک ہوئے۔ دونوں لیڈر اتحاد پر آمادہ ہو گئے اور آخر مارچ میں مسلم لیگ کا اجلاس دہلی میں قرار پایا۔ اس اجلاس میں شرکت کی دعوت حضرت خلیفۃ المسیح کو بھی دی گئی۔ اس اجلاس کے بعد بھی حضرت مفتی صاحب نے اپنی کوششیں جاری رکھیں جو بالآخر رنگ لائیں اور فروری 1930 میں دہلی میں دونوں مسلم لیگیں ایک ہو گئیں۔

(تاریخ احمدیت جلد 5 از مولانا دوست محمد شاہد صاحب صفحہ 129-130)

قائداعظم کی وطن واپسی کے لئے کامیاب جماعتی کوشش

قائداعظم نے پہلی گول میز کانفرنس کے بعد اصلاح احوال سے سخت مایوس ہو کر ہندوستان چھوڑ کر لندن میں مستقل قیام کر لیا اور وہیں پریکٹس شروع کر دی۔ آپ نے اس بارے میں اپنی ایک تقریر میں بتایا:

''گول میز کانفرنس کے زمانے میں مجھے اپنی زندگی کا سب سے بڑا صدمہ پہنچا..... مجھے تب محسوس ہونے لگا کہ میں ہندوستان کی کوئی مدد نہیں کر سکتا نہ ہندو ذہنیت میں کوئی خوشگوار تبدیلی پیدا کر سکتا ہوں نہ مسلمانوں کی آنکھیں کھول سکتا ہوں۔ آخر میں نے لندن میں بودوباش کا فیصلہ کر لیا۔''

(قائد اعظم اور ان کا عہد از رئیس احمد جعفری صفحہ 192-191 بحوالہ تحریک پاکستان اور جماعت احمدیہ از مولانا دوست محمد شاھد صاحب صفحہ 3-4)

قائداعظم کے یوں چلے جانے سے مسلمانان ہند کا جو حال تھا اس کا ذکر ایک اخبار نے یوں کیا ہے:

''مسلمان کبھی ترقی نہیں کر سکتے تاوقتیکہ ان میں کوئی لیڈر پیدا نہ ہو گا۔ گاندھی نہ ہو تو مالوی ہی ہو اور اگر وہ نہ ہو تو پرمانند ہی سہی لیکن یہاں تو ہندو لیڈروں کے مقابلہ میں ہم کسی ایک مسلمان کا نام پیش نہیں کر سکتے۔''

(اخبار تازیانہ ریویو 30 نومبر 1932 بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 6 از مولانا دوست محمد شاھد صاحب صفحہ 2)

حضرت خلیفۃ المسیح قائداعظم کی صلاحیتوں سے واقف تھے اور دلی طور پر چاہتے تھے کہ وہ واپس آ کر مسلمانان ہند کی قیادت کریں۔ چنانچہ جب 12 مارچ 1933 کو حضرت مولانا عبدالرحیم درد صاحب نے جماعت کے لندن مشن کا چارج سنبھالا تو آپ نے ان کے سپرد یہ کام کیا کہ وہ قائداعظم سے ملاقات کر کے انہیں ہندوستان واپس آنے کی ترغیب دیں۔

واضح رہے کہ حضرت درد صاحب میں یہ خوبیاں تھیں کہ

'اگر ہم انہیں کہتے کہ وائسرائے سے ملاقات کے لئے جاؤ تو وہ فوراً اس کی ملاقات کے لئے تیار ہو جاتے تھے اور کامیاب طور پر اس سے مل کر آتے تھے'

(خطبہ جمعہ حضرت مصلح موعود الفضل 18 دسمبر 1955 بحوالہ سیرت حضرت مولانا عبدالرحیم درد صاحب از حامد مقصود عاطف صاحب صفحہ 245)

نیز آپ کو

'انگریزی زبان پر گہرا عبور تھا اور بہت ہی شستہ تلفظ تھا'۔

(خط حضرت خلیفة المسیح الرابع مندرجہ کتاب سیرت حضرت مولانا عبدالرحیم درد صاحب از حامد مقصود عاطف صاحب صفحہ 251)

حضرت عبدالرحیم درد صاحب مارچ 1933 میں لندن میں قائداعظم کے دفتر واقع King's Bench Walk میں ان سے ملے جس کا حال ان کے اپنے الفاظ میں یوں ہے:

''میں نے ان سے تفصیلی ملاقات کی اور انہیں ہندوستان واپس آ کر سیاسی لحاظ سے مسلمانوں کی قیادت سنبھالنے پر آمادہ کیا۔ مسٹر جناح سے میری یہ ملاقات تین چار گھنٹے تک جاری رہی میں نے انہیں آمادہ کر لیا کہ اگر اس آڑے وقت میں جب کہ مسلمانوں کی رہنمائی کرنے والا اور کوئی نہیں ہے انہوں نے ان کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو پار لگانے کی کوشش نہ کی تو اس قسم کی علیحدگی قوم کے ساتھ بے وفائی کے مترادف ہو گی چنانچہ اس تفصیلی گفتگو کے بعد آپ مسجد احمدیہ لندن تشریف لائے اور وہاں باقاعدہ ایک تقریر کی۔''

(الفضل یکم جنوری 1955 بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 6 از مولانا دوست محمد شاھد صاحب صفحہ 103)

اس تقریر کے بعد نوابزادہ لیاقت علی خاں اور ان کی بیگم بھی جولائی 1933 میں لندن میں قائداعظم سے ملے اور ان سے ہندوستان واپس آنے کی درخواست کی۔ چند ماہ بعد قائداعظم واپس آ گئے۔ بزرگ صحافی اور تحریک پاکستان کے ممتاز لیڈر جناب میاں محمد شفیع (میم شین) نے اس بارے میں لکھا (ترجمہ انگریزی)

''انہوں نے ہندوستانی سیاست سے ریٹائر ہونے کا فیصلہ کر لیا اور علامتی طور پر قریباً ہمیشہ کے لئے لندن میں بودوباش اختیار کر لی۔ یہ جناب لیاقت علی خاں اور لندن مسجد کے امام مولانا عبدالرحیم درد تھے جنہوں نے جناح صاحب کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اپنا ارادہ بدلیں اور وطن واپس آ کر قومی سیاست میں اپنا کردار ادا کریں۔ جناح صاحب 1934 میں ہندوستان واپس آ گئے۔''

(اخبار پاکستان ٹائمز لاھور قائد اعظم ایڈیشن 11 ستمبر 1981 بحوالہ تحریک پاکستان اور جماعت احمدیہ از مولانا دوست محمد شاھد صاحب صفحہ 5)

نامور محقق جناب زاہد حسین انجم صاحب نے 1991 میں انسائیکلوپیڈیا قائداعظم شائع کیا تو اس میں زیرعنوان درد۔ عبدالرحیم احمدیہ مسجد لندن کے امام۔ قائداعظم سے اس

ملاقات اوراس کے نتیجہ میں ان کے مسجد فضل لندن میں تقریر کا ذکر کیا ہے۔

(صفحہ 309 مطبوعہ مقبول اکیڈمی لاہور بحوالہ ماہنامہ خالد ربوہ اگست 1997 صفحہ 21)

قائداعظم کی جماعت کی مسجد فضل لندن میں تقریر

مولانا عبدالرحیم درد صاحب کی قائداعظم سے ملاقات کے نتیجہ میں انہوں نے سیاست میں دوبارہ حصہ لینے کا جو فیصلہ کیا تھا اس کا پہلا اظہار اس تقریب میں شرکت تھی جو عید الاضحیٰ کے موقع پر 6 اپریل 1933 کو مسجد فضل لندن میں منعقد ہوئی۔ یہ ایک بڑی تقریب تھی اور اس میں دوسو کے قریب شخصیات مدعو تھیں جن میں مسٹر پیتھک لارنس، سرایڈورڈ میکلیگن، پروفیسر ایچ اے آر گب اور سرڈینی سن راس شامل تھے جبکہ صدارت Sir Stewart Sandaman نے کی۔

قائداعظم نے اس تقریب میں اپنی شرکت کا سہرا امام صاحب کے سر باندھتے ہوئے اپنی تقریر کا آغاز ان الفاظ سے کیا:

'The eloquent persuasion of the Imam left me no escape'

(Encyclopedia Quaid e Azam by Zahid Hussain Anjum Page 780 Maqbool Academy Lahore

بحوالہ تعمیر و ترقی پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صاحب صفحہ 86)

ترجمہ: امام صاحب کی فصیح وبلیغ ترغیب نے میرے لئے کوئی راہ بچنے کی نہیں چھوڑی۔

قائداعظم کی یہ تقریر جس کا عنوان India of the Future تھا برطانوی اور ہندوستانی پریس کی خاص توجہ کا مرکز بنی اور چوٹی کے اخبارات میں اس کی اشاعت ہوئی۔ سنڈے ٹائمز لندن نے لکھا:

'There was also a large gathering in the grounds of the mosque in the Melrose Road, Wimbledon, where Mr. Jinnah, the famous Indian Muslim spoke on India's future.'

(Sunday Times, London 9th April 1933 بحوالہ ہماری ہجرت اور قیام پاکستان از حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ دارالتجلید لاہور)

ترجمہ: میلروز روڈ ویمبلڈن پر واقع مسجد کے احاطہ میں ایک بڑے مجمع سے مشہور ہندوستانی مسلمان مسٹر جناح نے ہندوستان کے مستقبل کے موضوع پر خطاب کیا

اس کے علاوہ درج ذیل اخبارات نے اس تقریب کی خبریں شائع کیں

The Evening Standard, London 7/4/33, Hindu, Madras 7/4/33, The Madras Mail, Madras 7/4/33, Pioneer, Alahabad, The Statesman, Calcutta 8/4/33, The Civil & Military Gazette, Lahore 8/4/33, Egyptian Gazette, Alexandria, West Africa, London اور رسالہ The Near East and India 15/4/33.

قائداعظم کا ایک احمدی کو اپنا بیٹا کہنا اور تعریف کرنا

i- 1939 میں ہندوستان کی مرکزی اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا:

''میں اپنی اور اپنی پارٹی کی طرف سے آنریبل سر محمد ظفر اللہ خاں کو ہدیہ تبریک پیش کرنا چاہتا ہوں وہ مسلمان ہیں اور یوں کہنا چاہئے کہ میں اپنے بیٹے کی تعریف کر رہا ہوں۔''

(ہماری قومی جدوجہد از ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی صفحہ 76 بحوالہ تعمیر و ترقی پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ 102)

ii- ''سر ظفر اللہ خان کے متعلق قائداعظم فرمایا کرتے تھے کہ ظفر اللہ خاں کا دماغ خداوند کریم کا زبردست انعام ہے۔''

(اخبار مسلم آواز کراچی جون 1952 بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 5 از مولانا دوست محمد شاھد صاحب صفحہ 230)

قائداعظم کی احمدیوں کے مسلم لیگ کا ممبر بن سکنے کی حمایت

بعض مولویوں نے 1944ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں کوشش کی تھی کہ یہ قانون بن جائے کہ کوئی احمدی مسلم لیگ کا ممبر نہیں بن سکتا۔ کافی حمایت بھی حاصل کر لی گئی تھی لیکن خود قائداعظم نے مداخلت کر کے یہ قرارداد واپس لینے پر آمادہ کر لیا۔

(نوائے وقت 10 اکتوبر 1953 بحوالہ سلسلہ احمدیہ جلد دوم مرتبہ ڈاکٹر مرزا سلطان احمد صفحہ 134)

بزبان خود

i- ''آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ لاہور 1944ء میں مولوی عبدالحامد بدایونی

نے ایک قرارداد پیش کرنا چاہی جس کا مقصد یہ تھا کہ قادیانیوں کو مسلم لیگ کی رکنیت سے خارج کر دیا جائے یہ لوگ باتفاق علماء دائرہ اسلام سے خارج ہیں لیکن مسٹر جناح نے اپنے آمرانہ اقتدار سے اس قرارداد کو پیش نہیں ہونے دیا۔''

(مسلم لیگ کے شاندار اسلامی کارنامے صفحہ 4 مرتبہ جمعیت علماء صوبہ دھلی)

ii-مرزا محمود احمد اور اس کی پراپاگنڈہ ایجنسی نے مسٹر جناح سے خط و کتابت کی آخر مسٹر جناح نے مرزائیوں کو مسلم لیگ میں شامل کر لیا۔ 1944ء کے ایک اجلاس میں اس کے خلاف ایک قرارداد پیش ہوئی تو مسٹر جناح نے اس پر بحث کی اجازت نہ دی۔

(احرار کا کتابچہ 'مسلم لیگ اور مرزائیوں کی آنکھ مچولی'صفحہ 18-19 اکتوبر 1946ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 9 صفحہ 366-367)

iii- قادیانیوں کے اخراج کے متعلق جو تجویز پیش ہونے والی تھی اسے بھی مسٹر جناح نے پیش ہونے سے روک دیا۔

(اخبار مدینہ بجنور 5 اگست 1944ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 9 صفحہ 588)

قائداعظم کی بعض اور احمدیوں سے ملاقاتیں اور خط و کتابت

i۔1944ء میں جب قائداعظم سرینگر تشریف لے گئے تو انہوں نے کسی ایسے آدمی سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا جو ریاست کے ہر حصہ سے واقف ہو انہیں بتلایا گیا کہ ایک پنجابی نے تمام ریاست کا کئی بار سفر کیا ہے۔ یہ ایک احمدی دوست مکرم چوہدری عبدالواحد صاحب تھے۔ جو اخبار اصلاح کے مدیر بھی تھے۔ قائداعظم نے چوہدری صاحب کو بلوایا اور مختلف مقامات کے حالات دریافت کرتے رہے اور ان طویل و عریض سفروں کی وجہ دریافت کی۔ تو انہوں نے بتایا کہ 'میں جماعت احمدیہ قادیان سے تعلق رکھتا ہوں اور حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب امام جماعت احمدیہ کی ہدایت کے مطابق کشمیریوں کی بہبود کے لئے میں نے یہ سفر کئے ہیں۔' اس پر قائداعظم بہت خوش ہوئے۔

(تاریخ احمدیت جلد 5 از مولانا دوست محمد شاھد صاحب صفحہ 674)

ii-جب قائداعظم کشمیر میں قیام پذیر تھے تو آل جموں و کشمیر مسلم ویلفیئر ایسوسی ایشن جو حضرت خلیفۃ المسیح کی زیر ہدایت قائم ایک ادارہ تھا کا ایک دو رکنی وفد 19 مئی 1944ء کو آپ کی قیام گاہ پر آپ سے ملا۔ اور کشمیر کی سیاست پر گفتگو کی۔ دوسرے دن چوہدری غلام عباس صاحب اور مسلم کانفرنس کے دوسرے کارکنوں نے بتایا کہ قائداعظم آپ یعنی خواجہ غلام نبی گل کار صاحب جو احمدیہ وفد کے ایک رکن تھے، کی بہت تعریف کرتے تھے اور ان کی نظر کشمیر کی لیڈر شپ کے لئے آپ پر لگی ہوئی ہے۔

(تاریخ احمدیت جلد 5 از مولانا دوست محمد شاھد صاحب صفحہ 720)

iii-24 ستمبر 1945ء کو کوئٹہ میں ایک احمدی وفد نے قائداعظم سے ملاقات کی جو بشمول امیر جماعت احمدیہ 6 افراد پر مشتمل تھا۔ یہ ملاقات تقریباً 15 منٹ رہی عنقریب ہونے والے انتخابات اور مسلم لیگ کی مساعی کے علاوہ جماعت احمدیہ بھی موضوع گفتگو رہی۔ قائداعظم نے خندہ پیشانی سے بے تکلفانہ گفتگو فرمائی۔

(تاریخ احمدیت جلد 9 از مولانا دوست محمد شاھد صاحب صفحہ 692)

iv-حضرت بانی سلسلہ کے رفیق حضرت بھائی عبد الرحمٰن قادیانی صاحب کے صاحبزادے جناب عبدالخالق صاحب مہتہ وسط 1945ء میں امریکہ سے پیٹرولیم انجینئرنگ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے واپس ہندوستان آئے اور قائداعظم کے نام ایک خط میں اپنی خدمات مستقبل میں ابھرنے والی مملکت پاکستان کے لئے وقف کر دیں۔ قائداعظم نے اپنے دستخط سے ایک خط 14 اکتوبر 1945ء میں ان کی پیش کش کا شکریہ ادا کر کے اسے شرف قبولیت بخشا۔

(Memories of a Field Geologist مطبوعہ 1995 بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 8 از مولانا دوست محمد شاھد صاحب صفحہ 65-66)

قائداعظم نے نومبر 1944ء میں مہتہ صاحب کو دہلی میں شرف ملاقات بخشا۔ اور پھر دوسری بار کلکتہ کے اصفہانی ہاؤس میں ملاقات کی۔

(تاریخ احمدیت جلد 9 از مولانا دوست محمد شاھد صاحب صفحہ 661)

قائداعظم کا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے خط کو پریس میں جاری کرنا

انگریز حکومت نے 19 ستمبر 1945ء کو انتخابات کروانے کا اعلان کیا اس حوالے سے قائداعظم نے مسلمانان ہند کے نام یہ پیغام دیا کہ:

''موجودہ حالات میں انتخابات کو خاص اہمیت حاصل ہے انتخابات ہمارے لئے ایک آزمائش کی صورت رکھتے ہیں''۔

(اخبار انقلاب لاھور 18 اکتوبر 1945ء بحوالہ تاریخ احمدیت از مولانا دوست محمد شاھد صاحب صفحہ 345)

اس اہمیت کے پیش نظر قائداعظم نے اس خط و کتابت کو از خود پریس کو جاری کر دیا جو

ناظر صاحب امور خارجہ قادیان نے ان کے ملاحظہ کے لئے بھجوائی تھی اور جس میں حضرت امام جماعت احمدیہ کی ایک احمدی کو یہ ہدایت درج تھی کہ

"آپ کو موجودہ انتخابات میں مسلم لیگ کی حمایت کرنی چاہئے اور ان سے تعاون کے تمام ممکنہ ذریعوں کو بروئے کار لانا چاہئے۔"

یہ خط و کتابت انگریزی اخبار ڈان دہلی میں 18 اکتوبر 1945ء کو دہرے عنوان کے تحت یوں شائع ہوئی

AHMADIYA COMMUNITY TO
SUPPORT MUSLIM LEAGUE
Qadian Leader's Guidance.
Quetta, Oct 7 - Mr. M . A. Jinnah has released the following correspondence to the press.

ترجمہ: جماعت احمدیہ مسلم لیگ کی حمایت کرے گی۔امام جماعت احمدیہ قادیان کی ہدایت

کوئٹہ 7 اکتوبر جناب محمد علی جناح نے درج ذیل خط و کتابت پریس کو بھجوائی ہے اس میں تین خط تھے۔

اول: ناظر صاحب امور خارجہ کا خط بنام قائداعظم

دوم: ضلع سرائے پور کے ایک احمدی محمد سرور دانی صاحب کا خط بنام حضرت امام جماعت احمدیہ

سوم: حضرت امام جماعت کا سائل کو جواب

(تاریخ احمدیت جلد نمبر 9 از مولانا دوست محمد شاهد صاحب صفحہ 356-357)

حضرت امام جماعت احمدیہ نے ایک مضمون کے ذریعہ بھی احمدیوں کو مسلم لیگ کی تائید کی ان الفاظ میں تلقین فرمائی۔

"آئندہ الیکشنوں میں ہر احمدی کو مسلم لیگ کی تائید کرنی چاہئے تا انتخابات کے بعد مسلم لیگ بلاخوفِ تردید کانگریس سے یہ کہہ سکے کہ وہ مسلمانوں کی نمائندہ ہے۔"

(الفضل قادیان 22 اکتوبر 1945ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد نمبر 9 از مولانا دوست محمد شاهد صاحب صفحہ 351)

قائداعظم کا حضرت امام جماعت احمدیہ کو دعا اور مدد کا پیغام اور آپ کا مثبت ردِعمل

قدیم مسلم لیگی اور قائداعظم کے ساتھی سردار شوکت حیات کی کتاب

The Nation that lost its soul

1995ء میں شائع ہوئی اور پہلی بار یہ بات ظاہر ہوئی کہ ان انتخابات میں قائداعظم نے حضرت امام جماعت احمدیہ کو دعا کی درخواست اور مدد کے لئے پیغام بھجوایا تھا۔ سردار صاحب کے الفاظ درج ذیل ہیں:

'One day I got a message from Quaid e Azam saying Shaukat, I believe you are going to Batala, which I understand is about five miles from Qadian, please go there and meet Hazrat Sahib and request him on my behalf for his blessings and support for Pakistan's cause. After the meeting that night at about twelve mid night, I reached Qadian, when I got there Hazrat Sahib had retired. I sent him a message that I had brought a request from Quaid-e-Azam. He came down immediately and enquired what were Quaid's orders. I conveyed him Quaid's message to pray for and also support Pakistan. He replied please convey to the Quaid-e-Azam that we have been praying for Mission from the very beginning. Where the help of his followers concerned, no Ahmadi will stand against a Muslim leaguer and someone disobeys my advice the community would not support him.'

(The Nation that lost its soul by Sardar Shoukat Hayat P147 Jang Publishers, Lahore Dec 1995 بحوالہ رسالہ خالد ربوہ اگست 1997 صفحہ 25)

ترجمہ: ایک دفعہ مجھے قائداعظم کی طرف سے ایک پیغام موصول ہوا جس میں کہا گیا تھا کہ شوکت مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم بٹالہ جا رہے ہو اور میرا خیال ہے کہ قادیان بٹالہ سے پانچ میل دور ہے۔مہربانی کر کے تم وہاں جاؤ اور حضرت صاحب سے مل کر میری طرف سے انہیں پاکستان کے لئے دعا اور مدد کی درخواست کرو۔

جلسہ کے بعد بھی آدھی رات بارہ بجے کے قریب میں قادیان پہنچا۔اس وقت حضرت صاحب سو چکے تھے۔ میں نے انہیں پیغام بھجوایا کہ میں ان کے لئے قائداعظم کی درخواست لے کر آیا ہوں۔فوراً اٹھ آئے اور مجھ سے پوچھا کہ احکام کیا ہیں! میں نے انہیں قائداعظم کا پیغام پہنچایا کہ پاکستان کے لئے دعا اور مدد کریں۔اس پر انہوں نے کہا کہ قائداعظم کو بتا دیں کہ ہم پاکستان کے لئے ابتداء سے ہی دعا کر رہے ہیں، اور

جہاں تک ان کے پیروکاروں کی مدد کا تعلق ہے تو کوئی احمدی کسی مسلم لیگی امیدوار کا مقابلہ نہیں کرے گا اور اگر کہیں ایسا ہوا تو جماعت اس کی حمایت نہیں کرے گی۔

قائداعظم کا جماعت کی خدمت خلق پر اظہار تشکر

1946ء کے آخر میں بہار میں فسادات میں مسلمانوں کو نشانہ بنایا گیا اور بڑے پیانے پر جانی و مالی نقصان ہوا۔ حضرت خلیفۃ المسیح نے مظلوم مسلمانانِ بہار کے ریلیف فنڈ کے لئے قائداعظم کی خدمت میں پندرہ ہزار روپے کی پہلی قسط بھجوائی۔ قائداعظم نے جواباً لکھا

''نیودہلی 23 نومبر بنام ناظر صاحب امور عامہ جماعت احمدیہ قادیان ---آپ کا خط اور چیک مل گیا ہے آپ کی امداد کے لئے بہت بہت شکریہ ادا کرتا ہوں.....جناح ''

(الفضل 28 نومبر 1946ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد9 از مولانا دوست محمد شاھد صاحب صفحہ 771)

قائداعظم سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی مزید ملاقاتیں اور خط و کتابت

کئی مواقع پر حضرت خلیفۃ المسیح نے قائداعظم سے ملاقات یا مراسلت کر کے اہم مسائل کے حل میں خصوصی کردار ادا کیا۔ ایسے چند واقعات درج ذیل ہیں:

عبوری حکومت میں مسلم لیگ کی شمولیت کا معاملہ

i- 1946ء میں ہندوستان میں عبوری حکومت میں مسلم لیگ کی شمولیت میں درپیش مسائل ایک وقت میں اتنے گھمبیر ہو گئے کہ تحریک کی کامیابی بالکل مخدوش ہو گئی۔ اس مشکل وقت میں حضرت خلیفۃ المسیح ستمبر/اکتوبر 1946ء میں تین ہفتہ تک دہلی میں تشریف فرما رہے آپ نے 24 ستمبر کو قائداعظم سے انتہائی مخلصانہ اور دوستانہ ماحول میں تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ ملاقات کی جس کی خبر اور یونٹ پریس کی طرف سے اخبارات میں بھی شائع ہوئی نیز دیگر رہنماؤں سے تبادلہ خیالات فرمایا۔

(تاریخ احمدیت جلد 9 از مولانا دوست محمد شاھد صاحب صفحہ 405)

ii-اس معاملہ میں قائداعظم کے نام آپ نے 6 اکتوبر 1946ء کو ایک خط میں تحریر فرمایا

I did not perhaps inform you that the very day I met you , I sent a note to H.E. the Viceroy telling him that the Muslim League demands have the full support and sympathy of my community.

ترجمہ: میں شاید اس سے قبل آپ کو مطلع نہیں کر سکا کہ اس روز جس دن میں نے آپ سے ملاقات کی تھی میں نے ہز ایکسی لینسی وائسرائے کو ایک خط بھجوایا تھا جس میں میں نے انہیں یہ لکھا تھا کہ مسلم لیگ کے تمام مطالبات کو مجھے اور میری جماعت کا پورا تعاون اور حمایت حاصل ہے۔

(تاریخ احمدیت جلد 11 از مولانا دوست محمد شاھد صاحب صفحہ462 - 463)

iii- جب یہ معاملہ حل ہو گیا تو حضرت صاحبؓ نے 27 اکتوبر 1946ء کو قادیان سے قائداعظم کو مبارکباد کا خط بھیجا جس میں تحریر فرمایا

The new allotment of portfolios has been announced, though their distribution is not equitable but I must congratulate you on your successful efforts...May Allah help you in your great task and lead you to the right path. Amen.

ترجمہ: قلم دانِ وزارت کی نئی تشکیل کا اعلان ہو چکا ہے۔ اگرچہ ان کی تقسیم منصفانہ اور معقول نہیں ہے تاہم میں آپ کو آپ کی کامیاب مساعی پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں اللہ تعالیٰ آپ کی عظیم مساعی میں برکت ڈالے اور صحیح راستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

(تاریخ احمدیت جلد 11 از مولانا دوست محمد شاھد صاحب صفحہ 463-462)

پنجاب کی یونینیسٹ حکومت کے استعفیٰ کا معاملہ

فروری 1947ء تک صوبہ پنجاب کی پاکستان میں شمولیت مخدوش تھی کیونکہ وہاں یونینیسٹ حکومت قائم تھی جس سے مسلم لیگی اکابر کے مذاکرات ناکام ہو چکے تھے۔ اس نازک وقت میں حضرت خلیفۃ المسیح کی راہنمائی میں چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی کوشش سے ملک خضر حیات نے دو مارچ کو استعفیٰ دیا اور مسلم لیگ کا راستہ صاف ہوا۔ یہ خبر اس وقت کئی اخبارات میں شائع ہوئی۔ اس بارے میں قائداعظم کے نام حضرت صاحب کے ایک خط تحریر فرمودہ 2 مارچ 1947 کا کچھ حصہ درج ذیل ہے۔

As I told you when we met at Delhi that at the proper time Sir Khizar Hayat Khan could be persuaded to join the league......Sir Muhammad (Zafarulla Khan) came yesterday

and discussed the matter with me. Deliberating this, last night he had a long discussion with Malik Sahib and Qazlibash. They have agreed to resign......Now you have a great lever to get Muslim rights from your opponents. Now only NWFP remains. I will try to study its situation. Hope you will get help from some other sources as well, but no more can be disclosed in a letter. May be we meet in Dehli in April.

(Quaid-e-Azam Muhammad Ali Jinnah papers Vol-I, 20 February - 2 June 1947 P 161

Editor in Chief Z. H. Zaidi 1993 بحوالہ ماہنامہ خالد اگست 1997 صفحہ 30)

ترجمہ: جیسا کہ میں نے دہلی میں آپ سے ملاقات کے دوران ذکر کیا تھا کہ مناسب وقت پر سر خضر حیات کو مسلم لیگ میں شمولیت پر آمادہ کیا جا سکتا ہے... سر محمد ظفر اللہ خاں نے گزشتہ روز اس معاملہ پر مجھ سے گفتگو کی اور پھر اس کی روشنی میں رات ملک صاحب اور قزلباش سے تفصیلی گفتگو کی۔ وہ مستعفی ہونے پر رضامند ہو گئے ہیں......اب مخالفین سے مسلمانوں کے حقوق حاصل کرنے کے لئے آپ کے ہاتھ ایک مضبوط ذریعہ آ گیا ہے۔ اب صرف صوبہ سرحد باقی رہتا ہے میں اس کی صورتحال کا جائزہ لینے کی کوشش کروں گا اور امید کرتا ہوں کہ اس معاملہ میں بھی بعض ذرائع سے آپ کو مدد مل سکتی ہے لیکن یہ بات خط میں ظاہر نہیں کر سکتا۔ بہتر ہو گا کہ ہم اپریل میں دہلی میں ملاقات کر لیں۔

پنجاب باؤنڈری کمیشن کا معاملہ

اس کمیشن کی کارروائی کے ایک اہم مرحلہ پر حضرت خلیفۃ المسیح نے حضرت مولوی عبدالرحیم درد صاحب کو اپنا مکتوب مرقومہ 11 اگست 1947 دے کر قائداعظم کے پاس بھیجا جس میں منجملہ آپ نے تحریر فرمایا:

”بے شک آپ ستلج پر اصرار کریں لیکن یہ ساتھ ہی کہہ دیں کہ اگر ہمیں بیاس سے ورے دھکیلا گیا تو ہم نہ مانیں گے اور واقعی میں نہ مانیں تب کامیاب ہونگے ورنہ وہ بیاس سے بھی ورے دھکیل دیں گے ہم تو چاہتے ہیں کہ سارا پنجاب ہی تقسیم نہ ہوتا ہم تقسیم کو تسلیم کر لیں تو محفوظ موقف ہمارا بیاس ہے ستلج نہیں“

(تاریخ احمدیت جلد 9 از مولانا دوست محمد شاھد صاحب صفحہ 479)

قائداعظم کا اظہار تشکر

سر خضر حیات کے استعفیٰ کا معاملہ بہت اہم تھا اور یہ صرف حضرت خلیفۃ المسیح کی راہنمائی میں چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی کوشش سے حل ہوا۔ قائداعظم اس کے معترف تھے۔ چنانچہ واقعہ کے کچھ عرصہ بعد جماعت کے ناظر امور خارجہ حضرت مولانا عبدالرحیم درد صاحب قائداعظم سے ملے تو انہوں نے جماعت احمدیہ کی اس کوشش کا بہت شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ آپ نے نہایت آڑے وقت ہماری مدد کی نیز کہا I can never forget it میں اسے کبھی نہیں بھول سکتا۔

(قیام پاکستان اور جماعت احمدیہ از مولانا جلال الدین شمس صفحہ 50 تقریر 28 دسمبر 1949)

قائداعظم کا ایک احمدی کو اعلیٰ ذمہ داریاں تفویض کرنا

جولائی 1947ء سے ستمبر 1948ء تک کے پندرہ مہینوں میں قائداعظم نے چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب کو یکے بعد دیگرے چار اعلیٰ ترین ذمہ داریاں تفویض فرمائیں اور ان میں مکرم چوہدری صاحب کی اعلیٰ کارکردگی کی کھلے دل سے تعریف کی۔

i- پنجاب باؤنڈری کمیشن میں مسلم لیگ کی نمائندگی

جولائی 1947ء میں پاکستان کے معرض وجود میں آنے سے بھی پہلے پنجاب باؤنڈری کمیشن میں مسلم لیگ کا کیس لڑنے کے لئے قائداعظم کی نگہ انتخاب ظفر اللہ خاں صاحب پر پڑی۔ اس تقرری کے بارے میں مشہور صحافی م ش صاحب نے لکھا:

”قائداعظم نے چوہدری سر ظفر اللہ خاں کو مسلم لیگ کا کیس پیش کرنے کے لئے نامزد کیا تاکہ وہ پارٹیشن کمیٹی (باؤنڈری کمیشن) کے سامنے پیش ہوں....قائداعظم معمولی انسان نہیں تھے وہ تاثرات کی بناء پر لوگوں کے متعلق رائے قائم کرنے کے عادی نہ تھے بلکہ وہ تجربہ کی کسوٹی پر لوگوں کو پرکھا کرتے تھے انہوں نے بہت سوچ بچار کے بعد ظفر اللہ خاں کو مسلم لیگ کی نمائندگی کے لئے نامزد کیا تھا۔“

(نوائے وقت لاہور میگزین 6 مارچ 1992ء بحوالہ تعمیر و ترقی پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ خاں صفحہ 106)

کمیشن میں آپ کی کارکردگی پر قائداعظم کے خراج تحسین کا حال معروف صحافی منیر احمد منیر صاحب نے یوں بیان کیا:

”قائداعظم نے چوہدری ظفر اللہ خاں کو پنجاب باؤنڈری کمیشن کے سامنے

مسلم لیگ کا کیس پیش کرنے کے لئے مقرر کیا تھا اور جب چوہدری ظفر اللہ خاں یہ کیس پیش کر چکے تو قائداعظم نے انہیں شام کے کھانے کی دعوت دی اور انہیں معانقہ کا شرف بخشا جو قائداعظم کی طرف سے کرہ ارض پر بہت کم لوگوں کو نصیب ہوا۔ معانقہ کرنے کے بعد قائداعظم نے چوہدری ظفر اللہ خاں سے کہا میں تم سے بہت خوش ہوں اور تمہارا ممنون ہوں کہ جو کام تمہارے سپرد کیا گیا تھا تم نے اسے اعلیٰ قابلیت اور نہایت احسن طریق سے سرانجام دیا۔''

(کالم مطبوعہ روزنامہ خبریں لاہور مورخہ 7 جون 2003ء بحوالہ تعمیر و ترقی پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ 143)

ii-اقوام متحدہ میں پاکستان کے پہلے وفد کی سربراہی

پاکستان بنتے ہی اقوام متحدہ میں نمائندگی دلوانے اور دیگر زیر بحث معاملات میں پاکستان کی آواز بلند کرنے کے لئے پہلے پاکستانی وفد کی سربراہی کے لئے قائداعظم نے ظفر اللہ خاں صاحب کو مقرر فرمایا۔ آپ کی اعلیٰ کارکردگی کے بارے میں امریکہ میں اس وقت کے پاکستانی سفیر حسن اصفہانی صاحب نے قائداعظم کے نام اپنے خط مورخہ 4 اکتوبر 1947ء میں لکھا (ترجمہ)

''اقوام متحدہ میں پاکستانی وفد نے توقع سے بڑھ کر کارکردگی دکھائی ہے فلسطین کے مسئلہ پر ظفر اللہ خاں نے جو تقریر کی وہ اقوام متحدہ میں اس مسئلہ پر ہونے والی بہترین تقریروں میں سے ایک ہے..... یہ کسی قسم کی تعلّی نہیں ہے کہ ہم نے واقعی عمدہ تاثر پیدا کیا ہے پاکستان نے اپنا آپ منوالیا ہے۔''

(Quaid-I-Azam Mohammad ALi Jinnah Papers 1st Oct - 31 Dec 1947 Editor In-chief Z. H. Zaidi P 101 بحوالہ تعمیر و ترقی پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ 161)

اس بارے میں قائداعظم نے حسن اصفہانی صاحب کے نام اپنے خط مورخہ 11 ستمبر 1947ء میں لکھا:

''ظفر اللہ (نیویارک سے) واپس پہنچ گئے ہیں اور میری ان سے طویل گفتگو ہوئی ہے۔ واقعی انہوں نے اپنا کام عمدگی سے انجام دیا ہے۔''

(Quaid -i-Azam Mohammad Ali Jinnah Paper (1 Oct - 31 Dec 1947, Editor In-chief Z. H. Zaidi P 403 بحوالہ تعمیر و ترقی پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ 162)

iii-وزیر خارجہ پاکستان کی حیثیت سے تقرری

ابھی اقوام متحدہ کا اجلاس جاری تھا کہ قائداعظم نے ظفر اللہ خاں صاحب کو واپس بلوا بھیجا اور 22 اکتوبر 1947ء کو حسن اصفہانی صاحب کو لکھا:

''جہاں تک ظفر اللہ خاں کا تعلق ہے تو ہم نہیں چاہتے کہ جب تک وہاں (اقوام متحدہ) پر ان کا قیام ضروری ہے وہ اپنا کام ادھورا چھوڑ کر آ جائیں.... لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ہاں قابل لوگوں خاص طور پر ان جیسی اعلیٰ صلاحیت کے اشخاص کی بہت کمی ہے اس لئے جب بھی ہمیں مختلف مسائل سے واسطہ پڑتا ہے تو ان کے حل کے لئے لامحالہ ہماری نظریں ان کی طرف اٹھتی ہیں۔''

(Quaid-I-Azam Mohammad Ali Jinnah Paper Vol vi by Culture Division, Govt of First Edition 2001 Published Pakistan, Islamabad Page 165 بحوالہ تعمیر و ترقی پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ 233-232)

''اقوام متحدہ سے وفد کی واپسی پر آپ کو حضرت قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ مقرر کیا آپ اس عہدے پر سات سال تک فائز رہے۔''

(نوائے وقت لاہور 3 ستمبر 1985ء)

یہ تقرری قائداعظم کے یوم پیدائش یعنی 1947ء کے 25 دسمبر کو ہوئی۔ قائداعظم کے چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب پر اس اعتماد اور بھروسہ کے مجموعی ذکر پر مشتمل دو تحریریں درج ذیل ہیں۔

''جب قائداعظم نے یہ چاہا کہ آپ باؤنڈری کمیشن کے سامنے مسلمانوں کے وکیل کی حیثیت سے پیش ہوں تو ظفر اللہ خاں نے فوراً یہ خدمات انجام دینے کی حامی بھر لی....اور اسے ایسی قابلیت سے سرانجام دیا کہ قائداعظم نے خوش ہو کر آپ کو یو۔این۔او میں پاکستانی وفد کا قائد مقرر کر دیا جس طرح آپ نے ملت کی وکالت کا حق ادا کیا تھا اس سے آپکا نام پاکستان کے قابل احترام خادموں میں شامل ہو چکا تھا آپ نے ملک وملت کی شاندار خدمات سرانجام دیں تو قائداعظم انہیں حکومت پاکستان کے اس عہدے پر فائز کرنے پر تیار ہو گئے جو باعتبار منصب وزیراعظم کے بعد سب سے اہم اور وقیع عہدہ شمار ہوتا ہے۔ قائداعظم نے چوہدری صاحب کو بلا تامل پاکستان کا وزیر خارجہ بنا دیا۔''

(نوائے وقت لاہور 24 اگست 1948ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 9 از مولانا دوست محمد شاھد صاحب صفحہ 578-579)

''ان کی تعریفیں تو وہ ہستی کرتی رہی جسے دنیا بانی پاکستان بابائے قوم حضرت قائداعظم محمد علی جناح کے مبارک القاب اور نام سے جانتی ہے سچائی جن کی پہچان تھی جنہوں نے کسی کا دل رکھنے کے لئے مصلحتاً بھی جھوٹ نہ بولا.....قائداعظم نے چوہدری ظفراللہ خاں کو پنجاب باؤنڈری کمیشن کے سامنے مسلم لیگ کا کیس پیش کرنے کے لئے مقرر کیا تھا.....قیام پاکستان کے بعد....قائداعظم نے چوہدری ظفراللہ خاں کو پاکستان کی نمائندگی کے لئے یو۔این۔او میں بھیجا تھا جب قائداعظم نے امریکہ میں پاکستانی سفیر حسن اصفہانی کو لکھا کہ ظفراللہ کو واپس بھیج دیں تو اصفہانی صاحب نے پس وپیش کی اس پر 22 اکتوبر 1947ء کو اصفہانی کے نام اپنے خط میں یہ جملہ قائداعظم نے ہی ظفر اللہ خاں کے لئے لکھا تھا...یہاں ہمارے پاس اہل خاص طور پر ان جیسے مقام (Calibre) کے حامل افراد کی کمی ہے....یہی وجہ ہے کہ مختلف مسائل کے حل کے لئے ہماری نگاہیں بار بار ان کی طرف اٹھتی ہیں...ظفراللہ خاں کو پاکستان کا وزیر خارجہ بھی قائداعظم نے ہی مقرر کیا تھا۔قیام پاکستان سے کوئی 12 برس قبل سنٹرل لیجسلیٹو اسمبلی کے بھرے اجلاس میں یہ جملہ بھی قائداعظم نے ہی ادا کیا تھا 'ظفراللہ خاں میرا سیاسی بیٹا ہے۔''

(کالم مطبوعہ روزنامہ خبریں مورخہ 7 جون 2003ء بحوالہ تعمیر و ترقی پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصراللہ راجا صفحہ 249-250)

iv- قائداعظم کے آخری دستخط از فرخ امین (قائداعظم کے سیکریٹری)

''بیماری کے پورے زمانے میں قائداعظم نے اس وقت تک سرکاری کاموں کا سلسلہ جاری رکھا جب تک ان میں ذرا بھی سکت باقی تھی.....مجھے وہ دن ہمیشہ یاد رہے گا جب انہوں نے یو۔این۔او میں پاکستان کی نمائندگی کرنے کے لئے سر محمد ظفراللہ خاں کو پورے اختیارات دینے کے لئے آخری سرکاری دستخط کئے۔''

(زندہ قائد اعظم از منظور حسین عباسی صفحہ 34 مطبوعہ مکتبہ شاھکار لاھور بحوالہ تعمیر و ترقی پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصراللہ راجا 251-252)

یہ یو این او میں پاکستان کا دوسرا وفد تھا۔

چوہدری ظفراللہ خاں صاحب کا قائداعظم کو خراج تحسین

حضرت چوہدری ظفراللہ خاں صاحب نے بھی بار بار قائداعظم کی شخصیت اور ان کے اعلیٰ کردار کا تعریفی ذکر فرمایا ہے ایسا ایک عقیدت مندانہ اظہار پاکستان ٹائمز میں ان الفاظ میں شائع ہوا: (ترجمہ)

''میں زبانی اور تحریری طور پر مسلسل یہ بات کہتا رہا ہوں کہ جہاں تک انسانی کوششوں کا تعلق ہے پاکستان کا قیام فرد واحد یعنی قائداعظم محمد علی جناح کی مخلصانہ کوششوں کا رہین منت ہے وہ اکیلے شخص ہیں جنہوں نے دم توڑتی ہوئی آل انڈیا مسلم لیگ میں زندگی کی روح پھونکی اور اسے اپنی جاندار اور انقلاب انگیز قیادت میں ایک موثر اور متحرک سیاسی تنظیم میں بدل دیا اس راہ میں حائل نا قابل عبور مشکلات پر قابو پا کر انہوں نے اپنا وہ مقصد حاصل کر لیا جسے آپ نے خود ہی اپنے لئے معین کیا تھا اگرچہ اس کام میں کئی اصحاب نے اخلاص اور فرمانبرداری سے آپ کا ہاتھ بٹایا لیکن کامیابی کا سہرا صرف اور صرف جناب محمد علی جناح کے سر بندھتا ہے اس بارے میں کسی طرح سے کوئی ادنیٰ سا بھی شبہ پیدا نہیں کیا جاسکتا۔''

(اخبار پاکستان ٹائمز لاھور 13 فروری 1982ء بحوالہ ماھنامہ خالد ربوہ اگست 1997ء صفحہ 22)

قائداعظم کی وفات پر حضرت خلیفۃ المسیح کا اظہار تعزیت

حضرت مصلح موعودؓ نے قائداعظم کی وفات پر جناب لیاقت علی خاں وزیراعظم پاکستان کے نام بذریعہ تار ایک تعزیتی پیغام ارسال فرمایا جس کا درج ذیل متن اگلے دن کے اخبار الفضل میں صفحہ اول پر جلی حروف میں شائع ہوا۔

''میں پاکستان کے تمام احمدیوں کی طرف سے قائداعظم محمد علی جناح کی وفات پر انتہائی رنج وغم کا اظہار کرتا ہوں۔یہ نقصان اکیلے پاکستان کا ہی نہیں بلکہ تمام دنیائے اسلام کا مشترکہ نقصان ہے کیونکہ اس انتہائی نازک دور میں قدرتی طور پر تمام عالم اسلام کی نگاہیں امداد کے لئے پاکستان اور قائداعظم کی عظیم شخصیت کی طرف اٹھ رہی تھیں۔خدا تعالیٰ قائداعظم کے کام میں برکت ڈالے اور پاکستان اور تمام باشندگان پاکستان پر اپنا فضل نازل فرمائے۔بڑے لوگ اپنے کارناموں کی وجہ سے ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔میں امید کرتا ہوں کہ ہر سچا پاکستانی اپنی رہنمائی کے لئے آپ کے اصولوں کو پیش نظر رکھے گا۔اور ذاتی خواہشات اور ذاتی مفاد سے بالا ہو کر اپنی زندگی کو از سر نو اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے لئے وقف کر دے گا۔میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ پاکستان کے احمدی پاکستان کو مضبوط اور طاقتور بنانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔اور اپنی طرف سے اس کی خدمت کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرینگے۔خدا تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو۔مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ رتن باغ لاہور''

(روزنامہ الفضل لاھور مورخہ 12 ستمبر 1948ء)

قائداعظم کی وفات پر مزید جماعتی ردعمل

i-حضرت مسیح موعود کے صاحبزادے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کا تحریر فرمودہ ایک مضمون بعنوان 'قائداعظم محمد علی جناح' تیسرے دن روزنامہ الفضل میں شائع ہوا جس کے چند جملے درج ذیل ہیں۔

''گو قائداعظم کا جسد خاکی سپرد خاک ہوکر اپنے دنیوی دور زندگی کو ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکا ہے مگر ان کی روح اپنے اچھے اور شاندار اعمال کے ساتھ زندہ ہے اور زندہ رہے گی.....قائداعظم میں بہت سی خوبیاں تھیں مگر ان کا جو کام سب سے زیادہ نمایاں ہوکر نظر آتا ہے وہ یقیناً یہی ہے کہ ان کے ذریعہ مسلمانان ہندوستان سیاسی اتحاد کی لڑی میں پروئے گئے جو اس سے پہلے بالکل مفقود تھا......

مسلمانوں کے سیاسی اتحاد اور پاکستان کے وجود کے بعد قائداعظم محمد علی جناح کا سب سے بڑا کام اور سب سے بڑا وصف ان کا عزم و استقلال تھا....(وہ) ہمیشہ ایک مضبوط چٹان کی طرح اپنی جگہ پر قائم رہے اور مسلمانوں کی کشتی کو نہایت عزم اور استقلال کے ساتھ چلاتے اور اردگرد کی چٹانوں سے بچاتے ہوئے منزل مقصود پر لے آئے....

قائداعظم محمد علی جناح کا تیسرا نمایاں وصف ہر قسم کی پارٹی بندی سے بالا ہو کر غیر جانبدارانہ انصاف پر قائم رہنا تھا.......ان کے لئے صرف یہی ایک معیار قابل لحاظ تھا کہ ایک شخص کام کا اہل ہو اور یہ وہی زریں معیار ہے جس کی طرف قرآن شریف نے...توجہ دلائی ہے.....قائداعظم محمد علی جناح کی یہی بہترین یادگار ہوسکتی ہے کہ ان کے نیک اوصاف کو زندہ رکھا جائے۔''

(اخبار الفضل لاہور 14 ستمبر 1948ء)

ii-دسویں دن حضرت خلیفۃ المسیح کا تحریر فرمودہ ایک مضمون بعنوان 'مسلمانانِ پاکستان کے تازہ مصائب' الفضل میں شائع ہوا جس سے چند روشن جملے بطور حرف آخر درج ذیل ہیں۔

''میں سمجھتا ہوں کہ مسٹر جناح کی وفات کے بعد اگر وہ مسلمان جو واقعہ میں ان سے محبت رکھتے تھے اور ان کے کام کی قدر پہچانتے تھے سچے دل سے یہ عہد کرلیں کہ جو منزل پاکستان کی انہوں نے تجویز کی تھی وہ اس سے بھی آگے اسے لے جانے کی کوشش کریں گے اور اس عہد کے ساتھ ساتھ وہ پوری تندہی سے اس کو نباہنے کی کوشش بھی کریں تو یقیناً پاکستان روز بروز ترقی کرتا چلا جائے گا اور دنیا کی مضبوط ترین طاقتوں میں سے ہو جائے گا۔''

(اخبار الفضل لاہور 21 ستمبر 1948ء بحوالہ انوار العلوم جلد 20 صفحہ 555)

☆......☆......☆......☆

مصلح موعود۔ایک ماہِ تمام

ارشاد عرشی ملک
arshimalik50@hotmail.com

تھی خبر جس کی صحائف میں تو وہ محمود تھا
تو وہی مصلح مقدس تھا وہی موعود تھا
جس قدر خبریں مسیحؑ کی آمدِ ثانی کی تھیں
ان سبھی خبروں میں تیرا تذکرہ موجود تھا
سب حدیثوں کی کُتب میں ذکر ہے تیرا لکھا
اس سے ثابت ہے کہ رتبہ تھا ترا بے حد بڑا
تو دعاؤں کا ثمر تھا مہدیِ معہود کی
کس طرح عرشی بیاں تعریف ہو محمود کی
نیم باز آنکھیں تھیں گو نصرت جہاں کے لال کی
پھر بھی رکھتی تھیں خبر ہر چیز کے پاتال کی
حُسن و احساں میں مسیحِؑ پاک کی تصویر تھا
دیں کی غیرت میں مگر تو اک کھلی شمشیر تھا
تو کہاں اک فرد تھا، اک عہد تھا اک دور تھا
رخ بدل دیتے ہیں جو دنیا کا،وہ شہ زور تھا
کارنامے تیرے لکھ پاؤں نہیں میرا مقام
ہے قلم میرا شکستہ اور تو ماہِ تمام
میرے پیارے تجھ کو کرتی ہوں عقیدت سے سلام
عجز آڑے آ گیا مجھ میں نہیں تابِ کلام

میرا بچپن جہاں گزرا

امۃ الباری ناصر

ربوہ کی چلچلاتی دھوپ میں دیوار کے سمٹے ہوئے سائے میں اپنی سکھیوں سہیلیوں سے بچپنے کے کھیل کھیلتی بچی آج سن وسال کی منزلیں طے کر کے اپنی عمر کے سمٹے سائے میں قلم ہاتھ میں لئے یادوں کے نگر میں گھوم رہی ہے۔لکھنے کے لئے کوئی خاص بات نہیں' میری ذات اہم ہے نہ بچپن کوئی غیر معمولی ہے۔صرف اتنی سی بات ہے کہ جب بھی میں اپنے بچوں کو پرانی باتیں بتاتی ہوں وہ غور سے سنتے ہیں۔قادیان اور ربوہ کے تصور میں رنگ بھرنا اُنہیں اچھا لگتا ہے۔اس لئے میں نے سوچا لکھ دیتی ہوں میری جماعت کے بچے بھی کچھ نہ کچھ اخذ کر ہی لیں گے۔

میں قادیان میں پیدا ہوئی۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے میرا نام رکھا۔قرآن کریم کی بسم اللہ حضرت اماں جانؓ نے کروائی اور ناظرہ بیگم حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ سے پڑھا۔ہم دارالفتوح میں رہتے تھے۔ابا جان' محترم عبدالرحیم صاحب دیانت درویش' کی دکان مسجد مبارک کے پاس تھی۔یہ سب کچھ ایک جھلک کی طرح یاد ہے۔امی جان جلسہ سالانہ میں لے کر جاتیں اُس وقت میں یہ مسئلہ حل نہیں کر سکی تھی کہ بانس کے اوپر گول سا لاؤڈ اسپیکر لگا ہے جس سے آواز آتی ہے تو وہ انسان اس میں کہاں پر کھڑا ہے جس کی آواز آ رہی ہے۔کسیر پر بیٹھنا بھی یاد ہے۔میں نے قادیان میں سکول جانا شروع کیا تھا۔داخلے سے پہلے میرا ٹیسٹ ہوا تھا۔یہ ٹیسٹ میرے ابا جان نے لیا تھا۔جب امی جان نے ذکر کیا کہ اب اسے سکول میں داخل کرنا ہے تو وہ بہت حیران ہوئے۔اتنی سی بچی کو کیا آتا ہے جو سکول جائے گی۔امی جان نے کہا آپ ٹیسٹ لے لیں یہ بہت اچھا لکھتی ہے۔ابا جان نے تختی پر چند الفاظ لکھوائے جو میں نے درست لکھ دیئے۔مجھے انعام ملا اور داخلہ ہو گیا۔بڑی بہنوں کے ساتھ سکول جانے لگی ۔سکول جانے میں بھاری کشش عالم کی میٹھی املی بھی تھی۔ہمارے زمانے میں ابتدائی کلاسوں کو کچی، پکی، پہلی کہتے تھے۔مگر زیادہ تر مائیں پہلے قرآن کریم ناظرہ پڑھاتیں پھر کچھ تیاری کروا کے دوسری میں داخل کرواتیں۔میرا داخلہ بھی دوسری میں ہوا تھا۔ابھی چند دن ہی سکول گئی تھی کہ ایک دن کیا ہوا آدھی چھٹی میں گھر آئی تو امی نے کہا اب سکول نہیں جانا۔میرا بستہ سکول میں رہ گیا جو مجھے بہت یاد آتا رہا۔دراصل ہندوستان پاکستان بننے کے وجہ سے حالات بہت خراب ہو گئے تھے۔مجھے یاد ہے بڑی بہنیں فرسٹ ایڈ کا سامان تیار کرتیں اور اپنے بچاؤ کے طریقوں کی مشق کرواتیں میں نے ابا جان کو یہ سمجھاتے بھی سُنا تھا کہ چھریاں یہاں رکھی ہیں۔اگر کوئی پکڑنے کی کوشش کرے تو اپنا گلا کاٹ لینا مگر کسی کے ساتھ نہیں جانا۔پھر کسی ایسے سفر کی تیاری ہونے لگی جس کی منزل کا علم نہیں تھا۔امی سب بچوں کو لے کر سڑک کے کنارے صبح سے شام تک بیٹھی رہیں کسی گاڑی والے نے ہمیں نہیں بٹھایا۔پھر اگلے دن ایک ٹرک میں سواری ملی وہ بھی اس طرح کے کسی نے مجھے نیچے سے اُچھالا اور اُوپر کسی نے دبوچ لیا۔

تقسیم برصغیر کا دل دوز واقعہ میری یادوں کا غم انگیز حصہ ہے جس میں ہم اپنے ابا جان سے بچھڑ گئے تھے۔باقی سب تو بڑوں نے جھیلا ہم تو ہر حالت میں اپنی کوئی نہ کوئی کھیل بنا کر کھیلنے لگتے تھے۔مجھے یاد ہے جب دوسرے سامان کی طرح مجھے کسی نے اُٹھا کر ٹرک میں اُچھال دیا تو مجھے انجن کے پاس ریلنگ کے ساتھ جگہ ملی تھی۔صبح سے شام تک کا سفر اسی ریلنگ کو پکڑے پکڑے باہر کے منظر دیکھتے گزرا تھا۔مجھے صرف بھائی جان عبدالباسط صاحب نظر آ رہے تھے جو ڈرائیور کے پاس پائیدان پر کھڑے تھے۔ٹرک اتنی آہستہ رفتار سے چل رہا تھا کہ بہت وقت گزرنے تک ابا جان ٹرک کے ساتھ ساتھ پیدل چلتے رہے۔ابا جان نے لوگوں کے کندھوں پر اُٹھائی ہوئی چارپائی کی طرف اشارہ کر کے دکھایا تھا لوگ کسی زخمی یا شہید کو لے کر جا رہے تھے۔ایک جگہ ابا جان نے آسمان کی طرف دعا کی طرح ہاتھ اُٹھا کر اشارہ کیا جس کا مطلب تھا" جاؤ خدا کے سپرد "اس طرح ہماری ہجرت اور ابا جان کی درویشی کا آغاز ہوا۔راستے میں سڑک کے پاس لاشیں دیکھی تھیں مگر اتنا شعور نہ تھا میں سمجھی تھی لوگ سو رہے ہیں۔ہمارے سفر کا شام کو

اختتام ہوا۔لاہور پاکستان پہنچے تو مغرب کے بعد کا وقت تھا۔ایک خاتون ٹارچ سے روشنی کر کے ہمیں اُترنے میں مدد دے رہی تھیں یہ حضرت سیدہ چھوٹی آپا تھیں۔آپا لطیف کو دیکھ کر ان کے سپرد انتظامی کام کیا۔

رتن باغ لاہور میں بڑے بڑے کمروں میں ڈیسکوں سے حد بندی کر کے ایک ایک کمرے میں کئی خاندانوں کو جگہ ملی تھی۔دونوں وقت کھانا جماعت کی طرف سے ملتا۔ لباس البتہ وہی تھا جو پہن کر آئے تھے۔امی جان نے مجھے اپنے برقعے میں لپیٹ کر میرے کپڑے دھو کر ڈالے تھے جو خشک ہونے پر پھر پہنے تھے۔رتن باغ ہی کا واقعہ ہے ایک کمرے میں سکول کا ٹوٹا ہوا فرنیچر ٹھسا پڑا تھا مجھے کہیں سے بانگِ درامل گئی تھی میں اس کمرے کے تنہا جزیرے میں ایک کھڑکی سے اُتر جاتی اور بانگ درا پڑھتی جس کی نظم

آتا ہے یاد مجھ کو گزرا ہوا زمانہ
وہ جھاڑیاں چمن کی وہ میرا آشیانہ

بہت پسند آئی تھی میں اس کو بار بار پڑھتی اُس وقت میں نے یہ بھی سوچا تھا کہ لکھا ہوا تو زمانہ اور آشیانہ ہے پھر ہم اسے زماناں اور آشیاناں کیوں پڑھتے ہیں۔گویا لفظوں پر میری سوچ کا آغاز جبھی سے ہو گیا تھا۔

اب سوچتی ہوں تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی بچوں کی تعلیم کی اہمیت کا احساس ہوتا ہے۔آپ نے بچوں کا وقت ضائع ہونے سے بچانے کے لئے فوراً تعلیم کا آغاز کروا دیا تھا کوئی عمارت نہیں تھی تو کھلے آسمان کے نیچے چند درختوں کو گھیر کر ایک قنات لگوا دی ہم نے اس اوپن ائیر سکول میں کسی اینٹ پتھر پر بیٹھ کر پڑھنا شروع کر دیا۔اُستانی صاحبہ کے لئے بھی کرسیاں نہ تھیں کوئی کتاب سلیٹ تختی نہ تھی۔ہماری دوسری کی کلاس کچنار کے درخت کے نیچے تھی ہم چھٹی کے وقت کچنار کے پھول چن کر لے آتے اور گڑیا کی شادی کا کھانا پکاتے۔اس کے بعد بھی کافی عرصہ تک ہم سلیٹ پر سوال کرتے۔تختی پر املا کرتے کوئی یونیفارم نہ تھا۔اب تو بچے سوچ بھی نہیں سکتے کہ آدھی چھٹی کے وقت سیاہی دھو کر دوبارہ گاچنی ملنا کس کو کہتے ہیں۔پھر کچھ عرصے بعد کمرے بھی مل گئے تھے۔ اس بے سروسامانی میں بچوں میں کالی کھانسی کی وبا پھوٹی تھی جس کا شکار میں بھی ہو گئی تھی۔کچھ زیادہ ہی حالت خراب ہو گئی ہو گی کیونکہ آپا لطیف کا مارچ 1948 کو ابا جان کے نام لکھے ہوئے خط کا ایک ورق مجھے دستیاب ہوا ہے۔آپ نے لکھا ہے، ذکر میری بیماری کا ہے۔

''.....کل سے حالت تسلی بخش ہے اور منہ پر کچھ تازگی اور روحانیت بھی ہے۔رات بخار نہیں ہوا۔ابا جان! یہ تو یوں تھی جیسے گیندے کا مرجھایا ہوا پھول۔یا چراغِ سحری معلوم دیتی تھی کل پرسوں بالکل صبح کے ستارے کی طرح اپنے لب کھولتی اور بند کرتی ہوئی باتیں کر رہی تھی کتاب پاس تھی اور شکور (چھوٹی بہن) کا قاعدہ جس پر ایک رسالہ کے ورق چڑھے ہوئے ہیں پڑا تھا۔کتاب بند کرتی ہوئی کہنے لگی آپا میں نے آدھے معنے یاد کر لئے ہیں کہ میری آنکھیں درد کرنے لگ گئی ہیں اور تھک گئی ہیں اور ساتھ ہی آنسو نکل آئے اور پھر وہ قاعدہ اُٹھا کر کہنے لگی آپا مجھ کو یہ شعر بڑا ہی پسند آیا ہے ساری نظم اچھی ہے لیکن ایک دو شعر زیادہ اچھے ہیں یہ کہ

ستارے دیکھ کر یہ حال میرا کانپ جاتے ہیں
اگر مجھ سے محبت ہے تو بس فوراً چلے آؤ

اور یہ میں ابا جان کو لکھوں گی۔ابا جان تو آ نہیں سکتے وہ تو قادیان میں بیٹھے ہیں اور پھر خط لکھنا شروع کیا اور شعروں کو صحیح اور بدل بدل کے موزوں کر کے لکھا ایک کاغذ خراب ہو گیا پھر لکھنا شروع کیا اور پھر نہ لکھا گیا تو پھر باسط سے نقل کروایا۔درمیان میں سے شعر چھوڑ چھوڑ کر اور لفظ صحیح کر کے لکھے ہیں میں حیران ہو جاتی ہوں۔اماں جی باہر بیٹھی تھیں اُن کو جا کر ایک اور شعر سنا کر آئی

ہائے یہ جبرِ مشیّت کہ میں رو بھی نہ سکوں
اپنی پلکوں کو میں اشکوں سے بھگو بھی نہ سکوں

مجھے تو بھول بھی گیا ہے۔ابا جان ایسے ایسے شعر جس کی ہمیں سمجھ بھی نہ ہو یہ پڑھتی نظر آتی ہے۔ردّی کے کاغذ پر کوئی شعر ہو اس کی زبان پر فوراً آ جاتا ہے۔خدا تعالیٰ اس کو زندگی، صحت، لمبی عمر اور نیکی عطا کرے۔ہونہار بروا ہے۔کہیں شاعرہ ہی نہ بن جائے۔۔۔''

رتن باغ میں ہمارا چھوٹا بھائی پیدا ہوا جس کی پیدائش پر حضرت اماں جانؓ کی طرف سے تحفے بھی ملے تھے۔میرے دو بھائی محترم عبدالمجید نیاز صاحب اور محترم عبدالباسط شاہد صاحب احمد نگر میں جامعہ احمدیہ میں پڑھتے تھے۔ہم ربوہ پہنچنے والے پہلے قافلے میں تھے۔ربوہ میں ہمارا قیام ایک بہت بڑے احاطے میں ہوا۔اس احاطے میں دائیں بائیں رہائشی کمرے تھے دروازہ ریلوے اسٹیشن کی طرف کھلتا تھا اور عقبی دیوار کے ساتھ بیت الخلا تھے۔بیچوں بیچ ایک ہینڈ پمپ تھا۔ہر کمرہ ایک ایسی فیملی کو دیا گیا تھا جس کا سربراہ ربوہ میں موجود نہ تھا۔جماعتی نظام کے تحت ایسے محفوظ طریق پر خواتین اور بچوں کو آباد کرنا اور سرپرستی کرنا اولوالعزم حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا زندہ پائندہ کارنامہ ہے۔احاطے میں دائیں طرف پہلا کمرہ محترمہ لیلیٰ صاحبہ کا اور بائیں طرف سے پہلا ہمارا تھا۔(ہوسکتا ہے میری یاد میں کوئی بات محض بچپنے کے تصور پر مبنی ہو) بعد میں کچھ مٹی پانی سے گوندھ کر اُوپلوں کی طرح ایک دوسرے پر جما کر چھوٹی سی دیوار بنا لی گئی تھی جس

سے ہمارا 'اپارٹمنٹ' الگ ہو گیا تھا۔ بجلی نہیں تھی گھڑوں میں ٹھنڈا پانی بہت اچھا لگتا صحن میں چھڑکاؤ کر کے چارپائیاں بچھالی جاتیں۔ سورج کے معمول کے ساتھ صبح شام ہوتی جلدی سونے اور جلدی اُٹھنے کی عادت تھی، رات سونے سے پہلے چارپائیوں پر ''امی سکول'' لگتا جس میں سورتیں نماز، نماز باترجمہ نظمیں یاد کرائی جاتیں۔ بیت بازی بھی ہوتی مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب بیت بازی کے لئے گروپ بنتے تو مجھے اپنے ساتھ شامل کرنے کی ہر گروپ کی ضد ہوتی۔ کیونکہ امی جان سے سن سن کر درثمین کے بہت شعر یاد ہو گئے تھے۔ اسی سکول میں نبیوں کی کہانیاں، جماعت احمدیہ کی تاریخ اور بزرگوں کی قربانیوں کے واقعات سنے اس درس و تدریس میں بڑا مزا آتا۔ شکر ہے اُس وقت ٹی وی، انٹرنیٹ، کارٹون اور وڈیو گیمز نہیں تھیں، ورنہ بہت وقت ضائع ہو جاتا۔ اور ہم کچھ نہ سیکھ سکتے۔ احاطے کے صحن میں پانچوں نمازیں باجماعت ہوتیں، صبح کی نماز کے بعد درس ہوتا، اجلاس ہوتے، آپا لطیف اور امی جان منتظم تھیں۔ شام کو ہم عمر لڑکیاں مل کر کھیلتیں، بڑی عمر کی عورتیں نمازوں کی صفوں پر بیٹھ کر باتیں کرتی رہتیں۔ بہت چھوٹی عمر سے دوپٹہ سر ڈھک کر اور پھیلا کر لینے کی مشق کروا دی گئی تھی۔ اتنی بہت ساری جہاں دیدہ عقابی آنکھوں کے درمیان بچپن گزرا ہے۔ ہر خاتون ہماری تربیت کو فرضِ اولیں سمجھتی حقیقی معنوں میں سارا ایک ہی کنبہ لگتا۔ بڑی خواتین میں کچھ جھگڑے نمٹانے کی ماہر تھیں کچھ رشتے کروانے کی۔ کچھ رشتے تڑوانے کی بھی ہوں گی۔

ربوہ میں بہت شروع کی بات ہے جلانے کے لئے لکڑی دستیاب نہ تھی امی جان ہمیں صبح کی سیر کے لئے لے جاتیں اور ہماری کھیل یہ بنادیتیں کہ دیکھتے ہیں کون زیادہ لکڑیاں جمع کرے گا۔ ہم اِدھر اُدھر پھیل کر سوکھی ٹہنیاں جمع کرتے جس سے کئی دن چولہا گرم ہوتا مگر یہ زیادہ چلا نہیں۔ اُونٹوں پر بالن بالن کی آوازوں کے ساتھ ایندھن بیچنے والے آ جاتے اردگرد کے دیہاتوں سے جانگلی عورتیں کالے کالے کپڑے پہنے ہوئے اپنی فصلوں سے تازہ سبزیاں، دودھ، مکھن، گھی، ساگ اور دالیں وغیرہ لے کر آتیں اُس وقت وہ ان چیزوں کے عوض روپیہ لینے سے واقف نہ تھیں۔ کچھ گندم، آٹا یا کپڑا لے کر کافی سامان دے جاتیں۔ اس طرح اللہ پاک کی طرف سے اس وادیٔ غیر ذی زرع کے باسیوں کو تازہ اور ارزاں سامان ملنے لگا۔ ہمارے احاطے کے سامنے کچھ ہٹ کر اسٹیشن کی طرف ایک بڑا سا کیکر کا درخت تھا۔ یہ ہمارا کمیونٹی سینٹر بھی تھا۔ اس کے سائے سے بہت سے لوگ مستفیض ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ کوئی بڑا درخت یاد نہیں، البتہ کیکر کے جھاڑ ہوتے تھے جس کے لمبے لمبے ظالم کانٹے اُس کی حفاظت کا باعث بنتے جب کہ دوسرا جھاڑ ایک تنکے نما پتوں والے پودوں کا ہوتا جس میں کانٹے نہیں تھے۔ ایسے پودے کراچی کے ساحلی علاقوں میں بھی ہیں یہ پودا کاٹ کاٹ کر جلانے کے کام آتا تھا۔

موسم سخت گرم اور سخت سرد ہوتا۔ جب بارشیں ہوتیں تو دریائے چناب میں سیلاب آجاتا اور اردگرد کے دیہات پانی سے بھر جاتے رات کو ڈھول پیٹ پیٹ کر دیہاتی لوگ مدد کو بلاتے تھے۔ گرمی کی وجہ سے دن سنسان رہتے۔ ہاتھ کے پنکھے استعمال ہوتے اکثر شدید آندھی آتی۔ ربوہ کی مٹی پاؤڈر کی طرح نرم اور بھربھری تھی۔ پاؤں زمین میں دھنس جاتے، چلنا مشکل ہوتا خصوصاً بارش کے بعد بہت کیچڑ ہوتا تھا۔ آندھی میں یہی مٹی اُڑنے سے گہرا اندھیرا ہو جاتا۔ ایسا اکثر ہوتا کہ اچانک کسی طرف گہرے مٹی کے رنگ کے بادل سے نظر آتے اور دروازے کھڑکیاں بند کرتے کرتے ہر طرف تیز ہوا سے مٹی پھیل جاتی۔ چہرے پر کنکر سے لگتے، آنکھ ناک میں اتنی مٹی جاتی کہ آندھی تھمنے کے بعد ایک دوسرے کو پہچاننا مشکل ہوتا۔ بزرگ کہتے تھے آندھی چڑھنے کے رُخ پر آسمان پر انگلی سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھو تو آندھی رک جاتی ہے ہم بہت دفعہ لکھتے تھے مگر آندھی نہ معلوم کس کی بسم اللہ سمجھتی تھی۔ بارش کے بعد سانپ بچھو بھی نکلتے۔ سانپ سانپ کا شور تو کبھی کبھی سنائی دیتا البتہ میلے کپڑوں یا جوتوں میں چھپ کر بیٹھ رہنے والے بچھوؤں کے حملے کی زد میں آنے والوں کی چیخیں اور کراہیں اکثر سنائی دیتیں۔ رات کے وقت جانوروں کی آوازیں بھی آتی تھیں کوئی گیدڑ کہتا، کوئی شیر چیتا بھیڑیا کہتا مگر گیدڑ والے صحیح تھے۔

ابا جان کی درویشی کا ایک ثمر یہ ملا کہ ہمیں نظارت خدمت درویشاں میں بحیثیت ناظر امور عامہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ کا بہت بہت پیار لینے کا موقع ملا۔ وہی ایک طرح ہمارے مائی باپ تھے۔ ابا جان کا خط ان کے ذریعے ملتا اور ہم بھی خط لکھ کر دفتر میں دے آتے۔ عید بقر پر تحفے ملتے۔ اس کے علاوہ پندرہ روپے نقد اور ضرورت کی گندم ماہ بماہ ملتی۔ میں نوعمر تھی اکثر امی جان مجھے بھیج دیا کرتیں کہ وظیفہ لے آؤ۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ وظیفہ لیا دوپٹے کے کونے میں باندھا اور بچیوں سے کھیلتی کھاتی گھر آ گئی۔ امی جان نے پوچھا وظیفہ لے آئی؟ جی امی کہہ کر دوپٹے کے پلو پر ہاتھ مارا تو چاروں کونے خالی تھے۔ مہینے بھر کا خرچہ الھڑ پنے کی نذر کر آئی تھی، نہ جانے امی کے دل پر کیا گزری ہوگی، کتنا تلاش کیا ہوگا، کس درد سے دعا کی ہوگی، اب یاد نہیں اُسی دن کا واقعہ تھا یا اگلے دن کا ہمارا ایک چوزہ مرگ ناگہانی کا شکار ہو گیا۔ ہم اُس کو دفن کرنے کے لئے کیکر کے پیڑ کے نیچے گئے حد نظر تک پھیلی ریتلی بھربھری مٹی کے سمندر میں ایک جگہ قبر کی کھدائی کے لئے ہاتھ مارے تو پورے پندرہ روپے ملے۔ بھاگم بھاگ امی جان کے پاس لائے امی جان نے اعلان کروایا کہ اگر کسی کے روپے گم ہو گئے ہیں تو بتائے۔ جب کوئی طلب گار نہ ملا تو اپنی دعاؤں کا جواب سمجھا اور حمد و شکر میں مصروف رہیں۔ حضرت میاں صاحب کے حوالے سے ایک بہت قیمتی یاد بھی سپرد قلم

کردوں۔ سردیوں کی یخ رات تھی، دروازے پر دستک ہوئی امی جان نے اپنی آواز میں رعب پیدا کر کے پوچھا کون ہے؟ جواب ملا۔

بشیر احمد

یہ حضرت میاں صاحب تھے جو لحاف لائے تھے اور فرمایا تھا کہ اُنہیں خیال آیا، نہ معلوم بچوں کے پاس اوڑھنے کو پورے لحاف ہیں یا نہیں۔ ایک شہزادہ، درویش کی کٹیا تک چل کر آیا تھا۔ جہاں تک میرا ذاتی احساس ہے اور جہاں تک میں اپنی امی کے صبر اور خدا سے فریاد سے واقف ہوں کوئی بعید نہیں کہ امی نے اللہ پاک سے التجا کی ہو اور اللہ پاک نے اپنے فرشتہ سیرت بندے کے ہاتھ لحاف بھجوا دیا ہو۔ امی جان کی اس طرح معجزانہ مدد ہم نے بہت دفعہ دیکھی۔ ہم پانچ بہنیں اور تین بھائی سب ہی تعلیم حاصل کرنے کی عمر میں تھے۔ ابا جان کی درویشی میں تعلیم جاری رکھوانے کا حوصلہ امی جان کا تھا اور حضرت میاں صاحب کی رہنمائی سے بفضلِ الٰہی ممکن ہوسکا۔ جب ہم اپنی امی سے ابا جان کے متعلق پوچھتے کہ دوسرے بچوں کے ابا نتیجہ لینے آتے ہیں تو ابا جان یاد آتے ہیں۔ امی یقیناً حضرت ہاجرہؑ کی اتباع میں آسمان کی طرف دیکھ کر صبر کرتی ہوں گی۔ پھر ہمیں سمجھاتیں کہ آپ کے ابا جان تو قادیان میں ہیں اور یہاں اللہ کے فرشتے حضرت میاں صاحب ہیں جو والد صاحب کا پیار دیتے۔ اپنے نتیجے کا کاغذ لے کر حضرت میاں صاحب کے پاس جاتے، دعائیں اور پیار لے کر آتے۔ پھر ابا جان کو خط لکھتے اُس وقت ابا جان کی طرف سے پیلے پیلے چھوٹے چھوٹے کارڈ آتے تھے جس پر شکستہ تحریر میں باریک باریک لکھا ہوتا کئی سال یہی خطوط ہمارا ابا جان کا تصور رہے۔

ربوہ میں نصرت گرلز سکول کا ابتدائی فرنیچر لمبے لمبے ٹاٹ یا چوکیاں ہوتیں جن پر اپنے آگے بستہ رکھ کر ہم بیٹھ جاتے، امی جان کے ہاتھ کا سلا ہوا بستہ جس میں کاپیاں کتابیں بہت کم البتہ سلیٹ تختی گاچنی قلم اور سیاہی موجود ہوتیں۔ سارا حساب سلیٹ پر ہوتا اور ساری لکھائی تختی پر۔ آدھی چھٹی میں تختی دھو کر سکھا لی جاتی۔ گاچنی اور سیاہی کے مرکب ہاتھوں پر اور کپڑوں پر اپنے نقش چھوڑ جاتے۔ قلم بنوانے کے لئے بھاگ کر حضرت دادا جان کے پاس جاتی ان کی لکھائی بے حد خوبصورت تھی وہ حرفوں کی بناوٹ سکھاتے تھے۔ اُستانیوں میں محترمہ امۃ الرشید صاحبہ، محترمہ کنیز صاحبہ، محترمہ سلیمہ صاحبہ، محترمہ مسعودہ صاحبہ یاد ہیں۔ ایک ہی اُستانی سارا دن سارے مضمون پڑھاتی تھیں۔ اللہ پاک سب کو اجر عظیم عطا فرمائے آمین۔ سکول کی ایک مدھم یاد یہ بھی ہے کہ جمعرات کے دن سارے سکول میں خانہ داری، رنگائی دھلائی کی رونق ہوتی کبھی ایسا بھی ہوتا ایک مہمان خصوصی کی آمد کا شہرہ ہوتا، ہلچل سی مچ جاتی شایان شان استقبال کے لئے صحن میں چارپائی بچھ جاتی ایک بے حد نورانی حسین بزرگ خاتون کچھ دوسری خواتین کے ساتھ تشریف لاتیں۔ اس چارپائی پر بیٹھ کر سب سے مادرانہ شفقت سے باتیں کرتیں۔ یہ حضرت اماں جانؓ تھیں جو ساری احمدی بیٹیوں کو پیار دینے تشریف لاتیں۔ میری امی جان کی عادت تھی کہ جمعہ، اجلاس، درس اور دعاؤں کے مواقع میں پیش پیش رہتیں اس طرح ہمارے رگ و ریشہ میں یہ عشق سرایت کر گیا دعا اور توکل الٰہی ہمارے والدین کا اوڑھنا بچھونا تھے۔ سادگی اور حیا شعارِ زندگی تھا۔ ان حوالوں سے چھوٹے چھوٹے خاکے ذہن میں اُبھرتے ہیں مگر طوالت ہو جائے گی۔ میں یہاں تازہ بستیاں آباد کرنے والے اولوالعزم حضرت مصلح موعودؓ کو تہ دل سے خراجِ عقیدت پیش کرتی ہوں ربوہ کے معمول میں مخصوص انداز میں تربیت کا ماحول اور ٹھیٹھ دینِ حق کا معاشرہ قائم کرنا آپ کا کارنامہ ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ اُن ہستیوں کے درجات بلند فرمائے جن کے احسانات کا فیض ہم پا رہے ہیں۔ آمین

میری بڑی بہن آپا لطیف صاحبہ نے چند قیمتی کاغذات مجھے دیئے جن میں ایک بِل جس سے ربوہ میں اشیاء کی قیمتوں کا اندازہ ہوتا ہے ملاحظہ فرمائیے۔

یہ لجنہ کے اجتماع پر کھانے کا بل ہے جو 18 نومبر 1959 کو پکوایا گیا۔

	آنے	روپے
چاول چار من بحساب 30 روپے فی من		120
گوشت دو من		60
گھی بناسپتی ساڑھے اٹھارہ سیر 3.14 روپے فی سیر	11	71
گھی دیسی ڈیڑھ سیر	12	9
لہسن پیاز	12	9
گرم مصالحہ		16
لکڑی		15
مزدوری	12	0
اجرت دو مزدور		4
پکوائی دیگ		16
دیگ اٹھوائی لنگر خانہ سے دفتر + دفتر سے لنگر خانہ		8

نوٹ:- اس وقت ایک روپیہ 16 آنے کا ہوتا تھا۔

☆......☆......☆......☆

تبرّکات حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ

مرسلہ: بشریٰ بشیر

حضور رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''اب میں اصحاب الفیل کا واقعہ تاریخوں کے نقطۂ نگاہ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے بیان کرتا ہوں جو میرا اسکے متعلق ہے۔ واقعہ اصحاب الفیل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے سال میں اکثر اور معتبر روایات کے مطابق اور پیدائش سے دس، پندرہ، تیس، چالیس، پچاس اور ستر سال پہلے مختلف کمزور روایتوں کے مطابق ہوا۔ سہیلی کے نزدیک پچاس دن قبل از ولادت اور دمیاطی کے نزدیک پچپن دن قبل از ولادت یہ واقعہ ہوا۔ بعض کے نزدیک چالیس دن پہلے اور بعض کے نزدیک ایک ماہ پہلے ہوا۔ تفصیل اس واقعہ کی یوں ہے کہ اس واقعہ سے چند سال قبل یمن میں حمیر کی حکومت تھی۔ (حمیر عرب کی ایک قوم ہے) اور ذونواس حمیری بادشاہ اس علاقہ پر حکومت کر رہا تھا۔ ذونواس حمیری کے بارے میں بعض مورخین یہ کہتے ہیں وہ یہودی ہو گیا تھا اور بعض کے نزدیک وہ یہودی نہیں تھا بلکہ مشرک تھا۔ لیکن یہودیوں کی طرف مائل تھا۔ غالباً اسکے یہودی ہونے کا خیال اس وجہ سے پیدا ہوا ہے کہ وہ عیسائیوں کا دشمن تھا۔ میرا خیال ہے کہ یہ دشمنی شاید اسلئے ہو کہ یمن حبشہ کے ساحل کے بالمقابل ہے اور قریب ہونے کی وجہ سے اس کا حبشہ سے بگاڑ ہو جایا کرتا ہو۔ ایک دفعہ اس نے غصہ میں آکر اپنے ملک کے بیس ہزار عیسائی گرفتار کئے اور خندقیں کھود کر انکو زندہ جلا دیا۔۔۔ صرف ایک شخص جس کا نام دوس ثعلبان تھا وہ بچ کر بھاگ نکلا۔ اسوقت عیسائیوں کا تمام دارومدار رُومی حکومت پر تھا۔ رُومی حکومت کے تمام باشندے عیسائی تھے۔ اسوقت رومی حکومت نصف دُنیا پر حکومت کر رہی تھی۔ شام، فلسطین وغیرہ سب اسکے تابع تھے۔ مصر، لیبیا اور حبشہ تک کے بادشاہ بھی اسکے ماتحت تھے اور عیسائی لوگ بھاگ کر وہیں پناہ لیا کرتے تھے۔ دوس ثعلبان بھی بھاگ کر قیصرِ روم کے پاس پہنچا۔ اس زمانہ میں ایران اور رُوم کی آپس میں بڑی کثرت سے لڑائیاں ہوا کرتی تھیں۔ جسکی وجہ سے کئی قیصر سال کا اکثر حصہ شام میں گزارتے تھے۔ اس موقع پر بھی قیصر وہیں تھا۔ اُس نے قیصر کے پاس پہنچ کر فریاد کی کہ اس قتلِ عام کا بدلہ لیا جائے۔ روما کی سرحد یمن کے ساتھ نہیں ملتی تھی۔ درمیان میں پانچ چھ سو میل کا آزاد علاقہ تھا اسلئے قیصرِ روم خود براہِ راست خود تو کچھ نہیں کر سکتا تھا لیکن وہ اس عظیم قتلِ عام کو نظرانداز بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اُس نے دوس ذوثعلبان کو ایک چٹھی لکھ دی جو حبشہ کے بادشاہ کے نام تھی اور قیصر کے ماتحت تھا۔ حبشہ اور یمن کے درمیان بحیرۂ احمر ہے اور اُس زمانہ میں کشتیاں ادھر اُدھر آتی جاتی تھیں۔ قیصر نے لکھا کہ اس واقعہ کی طرف توجہ کرو اور جو عیسائی مارے گئے ہیں انکا بدلہ لو۔ اسوقت حبشہ کے بادشاہ نجاشی کہلاتے تھے۔ اور انگریزی میں ان کو (Negus) نیگس کہتے ہیں۔ اسوقت کے نجاشی کا نام اصحمہ بن بحر تھا۔ یہ وہی بادشاہ تھا جس کے متعلق تاریخ اور احادیث سے ثابت ہے کہ رسول کریمؐ کے زمانے میں کچھ مسلمانوں نے وہاں ہجرت کی تھی اور بادشاہ آخری وقت میں مسلمان ہو گیا تھا۔''

قیصرِ روم کا خط ملنے پر'' شاہِ حبشہ نے اپنے دو جرنیل ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ یمن بھجوائے۔ رومی حکومت اور اسکے ماتحت جو حکومتیں تھیں اُن سب میں یہ دستور تھا کہ عام طور پر دو دو جرنیل بھیجا کرتے تھے حتّٰی کہ بعض دفعہ دو ڈکٹیٹر مقرر کئے جاتے تھے۔۔۔ ان کو یہ وہم تھا کہ اگر ایک شخص مقرر کیا گیا تو ہو سکتا ہے کہ وہ بغاوت کر دے۔ اگر دو ہوئے تو ایک دوسرے کا محافظ ہو جائے گا اور اسطرح خرابی پیدا نہیں ہو گی۔۔۔ اسوقت حبشہ میں دو اقوام بستی تھیں۔ ایک سیاہ رنگ کی اور دوسری سفید فام! شاہی خاندان کا تعلق سفید نسل سے ہے جو دراصل عرب کے باشندے تھے۔۔۔ اسی وجہ سے حبشہ میں بولی جانے والی زبان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب زمانہ تک عربی ہی کی ڈائے لیکٹ (Dialect) تھی۔ چنانچہ قرآن کریم میں بیسیوں الفاظ ایسے ہیں جو حبشی زبان کے ہیں۔ عرب میں بولی جانے والی عربی کے الفاظ نہیں مگر حبشہ سے میل جول کی وجہ سے عربوں نے اُن الفاظ کو اپنی زبان میں داخل کر لیا۔''

ابرہہ کے بھجوائے گئے'' دونوں جرنیل ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ یمن پر حملہ آور ہوئے اور حمیری حکومت سے جنگ کی اور انہیں شکست دے کر یمن میں مسیحی حبشہ کی حکومت قائم کر دی۔ کچھ عرصہ کے بعد دونوں جرنیلوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ حتّٰی کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے مقابلہ میں صف آراء ہو گئے۔ جب وہ مقابلہ کیلئے تیار ہو گئے تو دونوں کو خیال

آیا کہ لڑائی تو ہماری ہے ہم آپس کے اختلاف کی وجہ سے قوم کو کیوں مروائیں۔ دوسرے ہماری آپس کی لڑائی کے نتیجہ میں یمن میں نجاشی حکومت کا خاتمہ ہوجائے گا۔ تو اُنہوں نے آپس میں ملاقات کرکے ان خیالات کا اظہار کیا کہ ہماری لڑائی سے ہماری قوم کو نقصان پہنچے گا۔ ہمیں کوئی ایسا طریق اختیار کرنا چاہیئے کہ جس سے ہماری قوم کو نقصان پہنچے بغیر ہمارے جھگڑے کا فیصلہ ہوجائے۔ چنانچہ اُنہوں نے فیصلہ کیا کہ فوج کو ہٹا کر صرف ہم دونوں آپس میں مقابلہ کریں گے۔ جب وہ ایک دوسرے کے بالمقابل پر آئے تو ارباط (جرنیل) نے بڑھ کر ابرہہ (دوسرے جرنیل) پر حملہ کرکے اسکا ناک، کان اور گالا کاٹ دیا۔ اسوقت ابرہہ کا ایک غلام (جو اس سے عشق رکھتا تھا) ایک پتھر کے پیچھے چھپ کر یہ تمام نظارہ دیکھ رہا تھا تو اسکی محبت نے جوش مارا تو اُس نے پیچھے سے حملہ کرکے ارباط کو مار ڈالا۔ اسطرح جو فاتح تھا وہ تو مر گیا لیکن مفتوح زندہ رہا۔ چند دنوں کے بعد ابرہہ کے زخم جب اچھے ہوگئے تو ساری حکومت اسکے قبضہ میں آگئی۔ اسطرح ابرہہ (جرنیل) یمن کا واحد بادشاہ بن گیا۔''

نجاشی (شاہِ حبشہ) ایک شریف النفس بادشاہ تھا، اُسے جب یہ خبر ملی کہ میرے جرنیل آپس میں لڑے اور اُن میں سے ایک نے دوسرے کو ماردیا تو اُسے بہت رنج ہوا۔ اس پر اُس نے قاتل کو سزا دینے کا اظہار کیا تو کسی مخبر نے ابرہہ کو یمن میں یہ خبر پہنچادی۔ اس پر اُس نے شاہِ نجاشی کو ایک معافی کا خط لکھا اور تفصیل بیان کی کہ کسطرح ہم دونوں نے آپس میں یہ فیصلہ کیا تھا کہ جو دوسرے کو مقابلہ میں مار لے گا وہ یمن کا حاکم ہوجائے گا۔'' اس میں کسی فریب یا دھوکے بازی کا کوئی دخل نہ تھا''۔۔۔'' جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں آپ کا مطیع اور فرمانبردار ہوں اور مجھے آپ کی غلامی پر فخر ہے۔'' اس پر شاہِ نجاشی نے اُسے معاف کرتے ہوئے لکھا کہ ہم تمہیں یمن کا گورنر مقرر کرتے ہیں۔'' جب ابرہہ کو یہ خبر پہنچی تو اس نے اس خوشی میں کہ بادشاہ نے مجھے معاف کردیا ہے اور میری جان بخشی کی ہے فیصلہ کیا کہ میں یمن میں ایک بہت بڑا گرجا بنواؤں گا اس قدر بڑا کہ جسکی مثال ان علاقوں میں نہ پائی جائے۔ چنانچہ جب بادشاہ کی طرف سے معافی کے بعد گورنری کے آرڈر ملے تو ابرہہ نے بادشاہ کو شکریہ کی چٹھی لکھی جس میں یہ بھی لکھا کہ میں نے آپ کے احسان کا شکریہ ادا کرنے کیلئے یہ مَنّت مانی ہے کہ میں یمن میں ایک بے مثال گرجا بنواؤں گا۔ چنانچہ اس مَنّت کو پورا کرنے کیلئے اس نے دُور دُور سے انجینئر بلوائے اور بہترین میٹیریل کے ساتھ بہت بڑا گرجا بنوایا جو اتنا بلند تھا کہ اُسے دیکھتے ہوئے ٹوپی گر جاتی تھی۔ عربی میں کلاہ یعنی ٹوپی کو قلنوء کہتے ہیں لہٰذا عربوں نے اسکا نام قلیس رکھدیا۔ جب گرجا مکمل ہوگیا تو ابرہہ نے صرف اسی بات پر کفایت نہ کی بلکہ یہ بھی کوشش شروع کردی کہ تمام عرب والے خانہ کعبہ کی بجائے آئندہ قلیس کا حج کریں اور اسی کو اپنا مرجع اور مرکز قرار دیں۔''

حضرت مصلح موعودؓ اس مقام پر یہ فرماتے ہیں:

'' یہاں وہ مضمون آتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں صرف مجھ پر کھولا ہے اور جسکی طرف تیرہ سو سال تک مسلمانوں کی توجہ نہیں گئی۔ وہ مضمون یہ ہے کہ سورۃ الفیل اور سورۃ ایلاف اس بات کا اظہار کرتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت بلکہ آپ کی پیدائش سے بھی پہلے آپ کے دوستوں اور دشمنوں کی تیاریاں شروع ہوگئی تھیں۔۔۔ اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ سے یہ سنت چلی آئی ہے کہ جب بھی کوئی مامور آنے والا ہوتا ہے تو اسکی بعثت سے قبل اسکے متعلق چہ میگوئیاں شروع ہوجاتی ہیں جو ثبوت ہوتا ہے اس بات کا کہ اب وہ زمانہ بالکل قریب آگیا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی موعود نے مبعوث ہونا ہے۔ اس زمانہ ہی کو دیکھ لو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ پچھلے سو سال میں عام طور پر مسیح موعود اور مہدی کے ظہور کے متعلق حرکت اور بیداری پائی جاتی تھی۔ اسی طرح رسول کریمؐ کی آمد سے بھی پہلے یہ حرکت پیدا ہوئی اور یہ حرکت کسی ایک قوم میں پیدا نہیں ہوئی بلکہ یہودیوں اور عیسائیوں اور عربوں سب میں یہ احساس تھا کہ کوئی عظیم الشان ظہور ہونے والا ہے۔ عرب لوگ یہ قیاس کرتے تھے کہ دعوۃِ ابراہیمی کا موعود آنے والا ہے۔ عیسائی سمجھتے تھے کہ فارقلیط آنے والا ہے یا وہ '' نبی'' جسکی خبر دی گئی تھی دُنیا میں ظاہر ہونے والا ہے اور یہودی یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ نبی جس نے اُنہیں غلامی سے آزادی دلانی ہے اور موسیٰؑ کا مثیل ہونا ہے وہ دُنیا میں مبعوث ہونے والا ہے۔۔۔ یہ پیشگوئیاں تو موسیٰؑ کے زمانہ سے تھیں اور اُنہوں نے خبر دی تھی کہ ایک زمانہ میں میرا مثیل آئے گا اور وہ آتشی شریعت اپنے ہمراہ لائے گا۔ پس یہ اُمید کوئی نئی اُمید نہ تھی بلکہ موسیٰؑ کے زمانہ سے اُنہیں یہ خبر مل چکی تھی۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اُس آنے والے موعود کے متعلق اُنکے دلوں میں یہ خلش اور تڑپ کیوں نہ داؤدؑ کے وقت میں پیدا ہوئی کیوں نہ سلیمانؑ کے وقت میں پیدا ہوئی کیوں نہ زکریاؑ کے وقت میں پیدا ہوئی کیوں نہ حزقیل کے وقت میں پیدا ہوئی۔ اسکی ابتدائی اُمید کی کسی قدر ابتداء مسیح کے وقت میں پیدا ہوئی۔ چنانچہ حضرت مسیحؑ سے یہ سوال کیا گیا تھا کہ ہم آپ کو کیا سمجھیں؟ کیا آپ مسیح ہیں یا ایلیاہ ہیں یا '' وہ نبی'' گویا '' وہ نبی'' کی آمد کا احساس کسی قدر مسیحؑ کے زمانہ میں پیدا ہو چکا تھا۔ مگر رسول کریمؐ کے زمانہ میں یہ احساس بہت ہی تیز ہوگیا تھا اور یہ الٰہی سنت اور دستور ہے کہ جب کسی موعود نے آنا ہو تو اسکی آمد سے پہلے ہی طبائع میں ایک عام احساس اسکے متعلق پیدا ہونا شروع ہوجاتا ہے اور لوگوں کی انگلیاں اسکی طرف اُٹھنے لگتی ہیں۔ پس میں نے اس سورۃ پر جو کچھ غور کیا ہے اسکے لحاظ سے میری تحقیقات یہی ہے کہ اُس زمانہ میں لوگوں کے دلوں میں آنے والے موعود کے متعلق ایک جستجو شروع تھی اور وہ سمجھتے تھے کہ کوئی ظہور ہونے والا ہے۔ یہ جستجو عربوں کے دلوں میں تھی کیونکہ حضرت ابراہیمؑ نے یہ پیشگوئی کی تھی کہ مکہ میں ایک نبی مبعوث ہوگا۔ یہ جستجو یہودیوں کے دلوں میں بھی تھی کیونکہ موسیٰؑ نے یہ کہا تھا کہ میری مانند ایک نبی کھڑا کیا جائے گا۔ یہ جستجو عیسائیوں کے دلوں

میں بھی تھی کیونکہ مسیحؑ نے کہا تھا کہ میرے دوبارہ آنے سے پہلے ایک روح کامل آئے گی جو تمام سچائیوں کو ظاہر کرے گی۔ پس عیسائیوں کو اللہ تعالیٰ کی ایک روحِ کامل کے ظہور کی اُمید تھی۔ ہر قوم یعنی یہود، عیسائی اور عرب بڑے جوش سے اس اُمید کا اظہار کرتی بلکہ فخر کرتی کہ ہمارا نبی آئے گا تو وہ ہمارے دشمنوں سے بدلہ لے گا۔ جیسے اس زمانے میں ہم دیکھتے ہیں کہ امریکہ اور انگلستان میں بہت سے لوگ ایسے گزرے ہیں جنہوں نے یہ دعویٰ کیا یا اعلان کیا کہ ہم مسیحیت کو غلبہ دینے کیلئے آئے ہیں۔ اسی طرح مسلمانوں میں کئی لوگ ایسے پیدا ہوگئے جو مہدویت کے مدعی تھے کیونکہ مسیح اور مہدی کے ظہور کا زمانہ آگیا تھا اور دُنیا میں اسکے متعلق ایک عام رَو چل رہی تھی جس طرح بارش سے پہلے ہوائیں چلتی ہیں اور وہ اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ اب بادل آنے والا ہے اور آسمان سے پانی برسنے والا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ماموروں کے آنے سے پہلے زمین میں ایک عام حرکت پیدا ہو جاتی ہے اور کئی لوگ ماموریت کے مدعی بن جاتے ہیں۔ رسولِ کریمؐ کی بعثت سے پہلے عیسائیوں، یہودیوں اور عربوں میں یہی رَو جاری تھی۔ عرب اپنی مجالس میں بیٹھتے تو یہی ذکر کرتے کہ اب ابراہیمی وجود ظاہر ہونے والا ہے۔ یہودی اپنی مجالس میں بیٹھتے تو یہی ذکر کرتے کہ ایسے آثار ظاہر ہو رہے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ موسیٰؑ کا مثیل آنے والا ہے۔ اسی طرح عیسائی اپنی جگہ باتیں کرتے کہ مسیحؑ کی پیشگوئیاں پوری ہونے والی ہیں۔ اصل میں تو یہ ایک ہی وجود تھا جس کی آمد کی مختلف قومیں منتظر تھیں مگر وہ سمجھتے تھے کہ ہمارا موعود دوسری اقوام سے بالکل الگ ہوگا۔ حالانکہ جس کی پیشگوئی ابراہیمؑ نے کی تھی اُسی کی پیشگوئی موسیٰؑ نے کی تھی اور جس کی پیشگوئی موسیٰؑ نے کی تھی اُسی کی پیشگوئی ابراہیمؑ اور عیسیٰؑ نے کی تھی۔ وجود ایک ہی تھا مگر اپنی اپنی پیشگوئیوں کی وجہ سے ہر قوم کے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ ہمارا نبی آئے گا تو وہ دوسری اقوام کو مارنے کیلئے آئے گا۔۔۔ اسی طرح مکہ والوں میں جب سے یہ احساس پیدا ہوا کہ دعائے ابراہیمی کے نتیجہ میں عرب میں کوئی نبی مبعوث ہونے والا ہے۔ تو گو عیسائی سمجھتے تھے کہ آنے والا ضرور آئے گا تو وہ دوسری قوم کو ختم کرنے کیلئے آئے گا۔ اسی طرح مکہ والوں میں جب سے یہ احساس پیدا ہوا کہ دعائے ابراہیمی کے نتیجہ میں عرب میں کوئی نبی مبعوث ہونے والا ہے تو گو عیسائی سمجھتے تھے کہ آنے والا ضرور آئے گا مگر وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ عرب قوم جو اس موعود کا انتظار کر رہی ہے یہ کوئی پولیٹیکل چال ہے اور ڈرتے تھے کہ اس پولیٹیکل چال کے نتیجے میں کوئی ایسا آدمی عرب میں نہ کھڑا ہو جائے جسکے پیچھے سارا عرب لگ جائے اور اسطرح حکومت کی باگ ڈور اس قوم کے ہاتھ آجائے۔ جیسے حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت سے کچھ عرصہ پہلے اور خود آپ کے زمانہ میں بھی انگریز اور دوسرے یورپین جہاں کسی شخص کے متعلق سنتے کہ اُس نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا ہے تو فوراً اُسکے پیچھے دوڑ پڑتے۔ حالانکہ انگلستان میں مثال موجود ہے۔ امریکہ میں مثال موجود ہے کہ وہاں عیسائیوں میں سے بعض لوگوں نے مسیح یا مسیح کے پیش رو نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔۔۔ لیکن اگر مسلمانوں میں یہ احساس پیدا ہوتا کہ آنے والا موعود ہم میں آنے والا ہے تو وہ سمجھتے کہ یہ کوئی پولیٹیکل چال ہے جو عیسائیت کو کمزور کرنے کیلئے اختیار کی جارہی ہے۔ بہرکیف عیسائیوں، یہودیوں اور عربوں میں آنے والے موعود کے بارے میں رقابت کا احساس پایا جاتا تھا۔ انہی حالات کو دیکھ کر ابرہہ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ عرب میں خانہ کعبہ ایسا مقام ہے جسکی وجہ سے سارا عرب اکٹھا ہوسکتا ہے اُدھر وہ یہ بھی سمجھتا تھا کہ عربوں میں یہ احساس پیدا ہو رہا ہے کہ اُن کے بلند ہونے اور دُنیا میں ترقی کرنے کا وقت آگیا ہے اور ابراہیمؑ کا موعود اب بہت جلد آنے والا ہے۔۔۔ سارے عرب خانۂ کعبہ کو مانتے ہیں اور اس کی عزت وتکریم کرتے ہیں اور اسے ایک مقدس مقام تسلیم کرتے ہیں اگر وہ موعود بھی آگیا تو۔۔۔ اُس موعود کے ذریعہ اور بھی متحد ہو جائیں گے اور عرب میں سے عیسائی حکومت تباہ ہو جائے گی۔ عرب میں عیسائیوں کی حکومت ایک تو یمن میں تھی اور ایک مدینہ سے اوپر تھی یعنی شمالی عرب کا بہت سا حصہ رُوم کے بادشاہ نے فتح کیا ہوا تھا گویا فلسطین سے لے کر مدینہ سے ڈیڑھ دوسو میل اُوپر تک تمام علاقہ عیسائی حکومت کے پاس تھا اور یہی عرب کے متمدن علاقے تھے اور انکی تجارت متعدد ممالک کے ساتھ تھی۔۔۔ جب عربوں میں ایک آنے والے موعود کے متعلق احساسات پیدا ہوئے اور اُن میں بیداری کے آثار نظر آنے لگے تو عیسائیوں نے سمجھا کہ اگر عرب منظّم ہوگئے تو وہ ہمیں یمن سے بھی نکال دیں گے اور شمالی علاقوں سے بھی نکال دیں گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جب ابرہہ نے یمن میں گرجا بنایا تو اُسنے یہ بھی سوچا کہ میں اس گرجا سے یہ بھی کام لوں کہ عرب کے خانہ کعبہ کی عزت کو گرا کر اہلِ عرب کی توجہ اپنے گرجا کی طرف پھرا دوں۔ اسکے دو فائدے ہونگے ایک تو یہ کہ عیسائیت پھیلے گی دوسرے عربوں کا اتحاد ٹوٹ جائے گا۔ آئندہ اگر عرب میں کوئی مدعی کھڑا بھی ہوا تو اُسکے لئے اپنی حکومت قائم کرنے میں آسانی نہیں ہوگی۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ ابرہہ نے تمام مملکت میں اس امر کا اعلان کروادیا کہ عرب کے لوگ آئندہ یمن میں قلیس (گرجا) کی زیارت کیلئے آیا کریں گے اور پھر اپنی سکیم کو پورا کرنے کے لئے عرب کے بڑے بڑے رؤساء کو بلا کر اُنہیں رشوتیں دیں اور انعام واکرام کے وعدے کئے اور اُن سے کہا کہ تم سارے عرب میں اعلان کرو کہ سارے عرب خانہ کعبہ کی بجائے صنعاء کے گرجا میں جو یمن میں بنایا گیا ہے زیارت کیلئے آیا کریں۔۔۔ ورنہ دُنیا میں اور ہزارہا نہایت شاندار گرجے موجود تھے۔۔۔ مگر رومن حکومت نے کبھی یہ کوشش نہیں کی تھی کہ غیر قومیں اُن کے معبد کو مقدس قرار دیں اور اُسکی زیارت کیلئے آیا کریں۔ پھر یمن میں ابرہہ نے ایسا کیوں کیا صرف اسلئے کہ۔۔۔ اُسنے سمجھا کہ اگر عربوں کا موعود نبی اور خانہ کعبہ کی حُرمت یہ دو چیزیں اکٹھی ہوگئیں تو لازماً عرب حکومت قائم ہو جائے گی اور ہمارا یہاں رہنا مشکل ہو جائے گا چنانچہ اسی احساس کے ماتحت اُس نے یہ اعلان کروادیا۔‘‘

(تفسیرِ کبیر جلد دہم صفحات 23-31)